ماھنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
January 2025
تاریخ اہلِ حدیث
2025

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 03 January 2025
Jumada al-Thani/Rajab /1446 AH
جلد: 45 شمارہ: 03 جنوری 2025ء
جمادی الثانی/رجب: 1446ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

اس ہفتہ دنیا بھر کی نظریں شام کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ سوریا کے مضافات میں اٹھنے والی حکومت مخالفت کی لہر پچاس سالہ قدیم، طاقتور بعث پارٹی خصوصاً اسد فیملی کے اقتدار کا خاتمہ کر سکے گی۔

میدان سیاست اور میڈیا کے بڑے بڑے پنڈت حیران و ششدر رہ گئے کہ گیارہ دنوں کے اندر اندر اس مخالفت کی لہر طوفان کی شکل اختیار کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ طوفان بعث پارٹی کے دارالحکومت دمشق تک پہنچ گیا اور خود سر طاغوتی حکمران بشار الاسد کو اقتدار، حکومت اور لاؤلشکر چھوڑ کر پُراسرار طور پر ملک سے فرار ہونا پڑا، اس مفرور جابر حکمران کو جائے پناہ ملی تو کمیونسٹ ملک روس میں وہ بھی روسی صدر کے ذاتی رحم و کرم کے باعث۔ ورنہ خدشہ تو یہی تھا کہ روسی حکومت بھی اس بوجھ کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ایسے حکمرانوں کو بڑی طاقتیں اپنے مقاصد بروئے کار لانے تک خوب استعمال کرتی ہیں پھر انہیں پہچانتے بھی نہیں۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ بہت سے مسلم ممالک اور وہاں سیاہ و سفید کے سربراہان کی چابیاں کس کس کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں، اگرچہ کہ یہ قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے "ہر عروج را زوال است" لیکن طاقت کے نشہ میں چور حکمراں اس قانون اور ضابطہ سے ہمیشہ خود کو بالاتر سمجھتے چلے آئے ہیں کہ ہمارے اقتدار کا سورج کبھی غروب نہیں ہو سکتا۔

یہ پہلو بڑا ہی عبرتناک ہے کہ باپ اور بیٹے کی پچاس سالہ دور حکمرانی میں مقامی لوگوں پر کس طرح کے مظالم ڈھائے گئے ۔ ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بعض نامی گرامی دینی علماء، شخصیات، اہل قلم، سیاسی اور سماجی رہنماؤں کو پس زنداں کیا گیا کہ ان میں بعض کئی برس تک سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے۔

حافظ الاسد کے زمانہ میں حماۃ کا علاقہ تاراج کر دیا گیا، وہاں سے جو جان بچا کر بھاگ سکتا تھا، وہ بھاگ کر کسی ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوا، ورنہ اکثر بے دردی کے ساتھ موت کی نیند سلا دیئے گئے، اجتماعی قبروں کی دریافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں کو بے گور و کفن گڑھوں میں دبا دیا گیا۔

بعض جیلوں اور عقوبت خانوں کے جب دروازے توڑے گئے تو جو مناظر کیمرے کی آنکھ سے دکھائے گئے دنیا ورطۂ حیرت میں پڑ گئی کہ

کیا اس دورہ میں بھی وحشت و بربریت کی یہ المناک تصاویر ممکن ہیں، شام میں حکمران ٹولہ کی ایک ہی پارٹی بعث کو قانونی حیثیت حاصل تھی، جس کے ارکان کی اکثریت نصیری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے، جن کے عقائد و افکار کو بڑی مشکل سے شیعہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے، ورنہ ان کی اپنی ہی جداگانہ شناخت ہے اور عجیب اتفاق کہ ایسے ہی خود سر ڈکٹیٹرز اکثر مسلم ممالک کی قیادت پر قابض ہیں، جو حسب ضرورت دین کو اپنے سیاسی اور شخصی مصلحتوں کے لیے چابکدستی سے استعمال کرتے ہیں، جن کے ہاں قانون اظہار رائے کی آزادی کا کوئی مطلب نہیں۔

ایسے کئی معصوم لوگوں کو گرفتار کیا جاتا ہے کہ ان کے متعلق صرف شبہ ہو جائے کہ وہ حکومت کے لیے چیلنج بن سکتے ہیں:لیکن اس اقتدار کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کو اس سے محروم ہوتا ہوا اور ذلت و رسوائی سے دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا دیکھ کر بھی عبرت حاصل کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔

حکومت اور اقتدار کے مزے لوٹنے اور عیاشیوں میں مگن وزراء اور سیاہ و سفید کے مالک اپنی نجات کے لیے عجز و انکساری سے دوہائی دے رہے ہیں، خود کو اسد فیملی کی جانب سے عوام پر روا رکھے گئے مظالم سے اپنی لاتعلقی ثابت کرنے میں مگن ہیں، شام کے سابق وزیر اعظم کا یہ بیان دلچسپی سے خالی نہیں کہ بہت سی باتوں اور معاملات سے میں لاتعلق ہوں۔

میرے علم میں آخری رات یہ بات نہیں تھی کہ بشار ہمیں ایسے چھوڑ کر فرار ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے، انقلابی ذمہ دار وزراء کی ان باتوں کو دھوکہ اور فریب سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان اعلیٰ حکومتی مناصب پر براجمان ظلم و بربریت سے لاتعلق یا بے خبر رہے ہوں، خود صدر کے بھائی ماہر الاسد جو کل تک صدر کے ساتھ ساتھ نقل و حرکت کرنے کو باعث اعزاز سمجھتا تھا اور آج اپنے بھائی کی پراسرار روانگی پر لعن وطعن کر رہا ہے، پھر خود وہ بھی بھاگ نکلا، اسے پناہ ملی تو پہلے ایران میں اور وہاں سے کسی گمنام جگہ منتقل ہو گیا۔

اس کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ

شامی باشندوں کے خلاف ستم ڈھانے والی فوج کے ہراول دستے کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی، جو اپنے مخالفین کو اذیت ناک سزائیں دینے اور ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کروانے کا مجرم ہے۔ ان دونوں مفرور بھائیوں کی دولت کا اندازہ لگاتے میں ماہرین

مگن ہیں۔ کیونکہ یہ بھاری بھر کم رقم کا تخمینہ اربوں ڈالر میں ہے اور نہ جانے کس کس نام سے کہاں اور کسی حالت میں محفوظ کی گئی، روس کے دارالحکومت موسکو کے انتہائی مہنگے علاقہ میں ہی ان کے کئی فلیٹ ہیں اور باقی ممالک میں نہ جانے کیا رکھا ہوا ہے. ماہر الاسد منشیات کا کاروبار بھی کرتا تھا، ان کی عرب ممالک میں خوب ترویج کی گئی، اگر حکمران ٹولہ خود ہی منشیات کی خرید و فروخت میں ملوث ہو تو کس قانون کے ذریعہ اس بلا کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

شام کے عقوبت خانوں میں محبوس بعض قیدیوں کو جب آزاد کیا گیا، انہیں قائل کرنے میں خاصی دقت پیش آ رہی تھی کہ اب وہ آزاد ہو چکے ہیں، طویل عرصہ کے بعد سورج کی روشنی اور تازہ ہوا میں سانس لیتے ہوئے ساتھ بیٹھے لوگوں کو از راہ ترحم للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ کیا ہمیں واقعی آزاد کر دیا گیا ہے، کہیں دوبارہ اندر دھکیل تو نہیں دیا جائے گا ، ان کے کپکپاتے ہاتھ، تھرتھراتی آنکھیں اور بھرائی ہوئی آواز ان پر ہونے والے مظالم کا خود ہی پتہ دے رہی تھیں۔

سزائیں کیسی، لوہے کی تپتی ہوئی چارپائی جس کے نیچے چولہا جل رہا ہو اس پر قیدی کو لٹایا جاتا تاکہ یکبارگی گولی چلا کر موت کی نیند سلانے کے بجائے زندہ انسان کا بدن جلا کر بتدریج موت کے منہ میں دھکیلا جائے، پینے کے لیے پانی دینے کا انداز ایسے کہ محافظ دریچہ سے قیدی کی سیل میں کچھ پانی انڈیل دیتا، بیچارہ قیدی کسی ربر اسپنج کی مدد سے اسے بھگو کر حلق میں نچوڑ لیتا، تاکہ حلق تر ہو سکے یعنی ان عقوبت خانوں کی نگرانی کے لیے انسان نما حیوانوں کو متعین کیا گیا تھا، جو سزاؤں کے نت نئے طریقے خود سے بھی تلاش کرتے اور انہیں دوسروں کو تڑپا کر تسلی ہوتی، بڑے جو چاہتے وہ دو قدم آگے بڑھ کر سزائیں دیتے، کسی کے دونوں ہاتھ چھت سے باندھ کر گھنٹوں کھڑا رہنے پر مجبور کیا جاتا، اس پوزیشن میں کھڑا رہنے کے سبب قیدی اپنے ہاتھوں کی نعمت یا کارکردگی سے ہی محروم ہو جاتا اور کسی کے ناخن اکھیڑ دیئے جاتے۔

خواتین قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، وہ کچھ زیادہ مختلف نہیں بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ خواتین کو ہوا و ہوس کا نشانہ بنانے اور عفت و عصمت تار تار کرنے والوں کی وہاں کمی نہ تھی۔

یہ نصیری، علوی، بعث پارٹی سے وابستگان کی داستانیں ہیں ، کیا ان عقوبت خانوں میں ہونے والے ان وحشیانہ مظالم کا سربراہان عالم کو علم نہیں تھا، یقیناً بیشتر ان باتوں سے بڑی حد تک واقف تھے، لیکن اس کے باوجود ایسے ظالم و جابر طاغوتی حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے اور انہیں وی آئی پی پروٹوکول دیا جاتا رہا، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ

”ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند“

اگر یہ مظالم گناہ ہیں تو ان کے تو ہم بھی مرتکب ہیں، جزئیات کا فرق تو ہو سکتا ہے، ورنہ اکثر مسلم ممالک کے حکمرانوں اور وہاں رائج نظام میں یہ چیزیں کم و بیش مخالفین کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں، بنگلہ دیش میں مخالفین کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا اور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ کسی سے ڈھکا چھپا ہے، کہیں فوجی ذمہ دار تو کسی سرکاری مناصب پر مسلط کردہ رہنما، وہ اپنے مخالفین کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرتے۔ جس ملک کو حاصل کرنے کے لیے ہزاروں لوگوں نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، لاکھوں خاندان متاثر ہوئے، اسے اقتدار کے لالچیوں نے دولخت کر دیا اور اپنا قد بڑھانے کے لیے ملک کا سائز گھٹا دیا، اور جس بنیادی مقصد کے لئے حاصل کیا گیا اس سے اسے کوسوں دور کیا گیا۔

حیرت تو اس وقت زیادہ ہوئی کہ بشار الاسد کی شام سے فرار کی رات ہی اسرائیل کی جانب سے اچانک حملہ کر کے شام کا ہوائی نظام اور جنگی جہاز تباہ کر دیئے گئے اور بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا، ابھی مقامی یا شندے ظلم وستم سے نجات کی خوشی منا ہی رہے تھے کہ انہیں اس غیر متوقع افتاد کا سامنا کرنا پڑا، گویا بشار اور اس کے باپ کی مفاہمت تھی، اسرائیل کے ساتھ جب تک ہم اقتدار میں ہیں، تمہارے لیے چیلنج نہیں، اس دوران تم فلسطینیوں پر جو چاہو کر گزرو، ہمیں اقتدار عزیز ہے اس کی قیمت کچھ بھی ہو، یہ نکتہ اکثر حکمرانوں کے درمیان مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے کہ اقتدار ہمارا باقی رہے، چاہے اس کے عوض ملک، عوام، دین اور ملت کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے اور کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔

☆☆☆

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیئے کہ اس سے معاف کرا لے کیونکہ وہاں درہم و دینار نہیں ہوں گے قبل اس کے اس کے بھائی کا بدلہ چکانے کے لیے اس کی نیکیوں سے کچھ لیا جائے۔ اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔“ (صحیح بخاری: 6534)

حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہے، اسے کسی صورت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ اگر صاحب حق معاف کر دے تو الگ بات ہے بصورت دیگر اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ حدیث میں ہے: ”اگر کسی جہنمی کا کسی جنتی کے ذمے کوئی حق ہو گا تو اہل جنت کو جنت میں جانے کی اجازت نہیں ہو گی حتی کہ اس کا بدلہ لے لیا جائے، اگر کسی نے دوسرے کو بلاوجہ تھپڑ رسید کیا ہو گا تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم تو وہاں ننگے بدن اور برہنہ پاؤں جائیں گے تو یہ بدلہ کیسے دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”برائیوں اور نیکیوں کے ذریعے سے حساب چکایا جائے گا۔“ (مسند احمد: 3/495)

انسان جس لمحہ دنیا میں آتا ہے اسی وقت سے اس کی متعینہ عمر کے گھٹنے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت انسان پیدا ہوتے ہی اپنی حقیقی منزل کی طرف بہت تیزی کے ساتھ، ہر پل ہر لحظہ آگے بڑھتے رہتا ہے۔ مگر انسانوں کی اکثریت اس بات کو پس پشت ڈال دیتی ہے کہ جو زندگی خداے تعالیٰ نے عطا کی ہے اسے کس کام میں صرف کی جائے! اور اپنی قوت وصلاحیت کو کن چیزوں میں لگایا جائے اور کھلایا جاے!!!

چنانچہ کچھ گھنٹوں بعد عیسوی سال کا سورج غروب ہونے کو ہے اور پھر ایک نئے سورج کے طلوع کے ساتھ ہماری زندگی کا ایک اور نیا سال 2025 عیسوی ان شاء اللہ شروع ہو جائے گا، اس طرح ہم سب کی مدت حیات کے گزرے ایام کی اچھی و بری کارگزاری و کارستانی ہمیشہ کے لیے درج رجسٹر ہو چکیں ہو نگی۔۔ مگر اس حقیقت کے باوجود افسوس کہ انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہوا ہے، یقینا اس کی پیدائش سے لے کر اب تک کی گنتی کے حساب سے، کسی کی عمر ایک دن کی بھی ہو سکتی ہے، کسی کی پانچ برس تو کسی کی پچیس اور اسی طرح ساٹھ سال اور اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ مگر احوال واقعی تو یہ ہیں کہ ان کی زندگی کے اتنے گھنٹے و دن، مہینے اور برس خدا کی دی ہوئی عمر میں سے گھٹ گیے، کم ہو گئے!!!

سال نو کے استقبال اور اس کے جشن کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں، منچلے و بے فکر لوگ اس کے لئے لاکھ جتن کر رہے ہیں، یعنی ہر آدمی اپنی نفسانی خواہش ومالی خوشحالی اور جسمانی قوت وصلاحیت کے عین مطابق سال نو کو رنگین ویادگار بنانے کے لئے بے تاب نظر آرہا ہے۔ دوسری جانب مختلف تفریحی ادارے، ہوٹلز اور میخانے بالخصوص مضافاتی علاقوں میں جشن سال نو کی اپنی بساط بھر کوشش اور تیاریاں کر رہے ہیں تاکہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْد﴾ کی بنیاد پر سامان عشرت مہیا کیا جاے۔ ہر سال اس موقع پر بہت سے لوگ بدمست ہو کر اپنی بے خودی کے عالم میں انسانی اخلاق وحیا کو شرمسار و داغدار کرنے والے اعمال سے اپنے دامن کو آلودہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آیا اور گزشتہ برسوں اسی حوالے سے پڑھا گیا اور دو روز بعد بھی اخبارات اور ٹیلی ویژن میں شائد یہ خبریں پڑھنے کو ملیں گی کہ فلاں جگہ فلاں شخص نے حالت نشہ میں قتل کا ارتکاب کیا اور فلاں مقام پر کسی خاتون کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ بھی خبر آئے گی کہ فلاں شہر اور ملک میں اتنے لوگ نشہ کی حالت میں حادثہ کا شکار ہو کر نئے سال کی صبح کا دیدار بھی نہ کر سکے۔ یہ تھا جشن سال نو اور اس میں کئے جانے والے حرکات وسکنات واعمال قبیح کا مختصر خاکہ۔

اب ہم سال نو کے حقیقی پیغام کی طرف توجہ دیں تو معلوم ہو گا کہ انسان کی زندگی خواہ ہجری سال ہو یا عیسوی سال کا آغاز۔ یہ دراصل سارے انسانوں کے لئے یوم احتساب ہے۔ کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے کہ

آدمی دنیا کی محبت میں عیش کوشی اور لذات نفسانی میں مگن زندگی گزار دیتا ہے اور اپنے انجام سے بے خبر پوری عمریوں ہی ضائع کر دیتا ہے۔

ہم اپنے عزم پر قائم رہے راہ محبت میں
نہ آغاز سفر سمجھے نہ انجام سفر جانا

ہر انسان کو اس کے آغاز سفر میں جبکہ وہ حالت بلوغ میں پہنچتے ہی اپنی اچھی بری چیز میں تمیز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مالک اور آقا اس کے سامنے یہ بات کھول کر رکھ دیتا ہے کہ

اے بندے تو جس سفر پر چل پڑا ہے اس کی ایک منزل ہے، تیرا ہر قدم اور تیری منزل کی طرف بڑھنے کا عمل جسے زندگی یا مہلت حیات کہا جاتا ہے، اس کا اختتام ہو کر رہے گا، کسی بشر کو بھی اس سے ہر گز مفر نہیں!!!

گزرے ہوئے سال کا اختتام اور نئے سال کے آغاز پر ہر انسان کو اپنا احتساب کرنا ہو گا کہ وہ گذشتہ عمر کے لمحات کس حال میں گزارے، اگر گناہ و جرائم کے ارتکاب میں گزارے ہوں تو اسے چھوڑ دے باقی آنے والی نامعلوم مہلت عمل کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی بے راہ روی اور خدا سے بغاوت کی روش ترک کر دے اور اپنی عمر کا حساب لگائے کہ اس نے کب پیدا ہوا تھا اور آج کتنے برس کا ہو چکا ہے، پھر اس کے بعد سمجھ لے کہ اس کی زندگی کتنی کچھ ختم ہو چکی اور آگے کی حیات اسی قدر کم ہو گئی۔ پروردگار عالم اپنے بندوں کو اسی جانب متوجہ فرما رہا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ﴾ (سورۃ الانشقاق:6)

"اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔"

یعنی ہر انسان کو یہ بتلایا گیا ہے کہ دیکھو تمہاری سعی

وجہد، تگ و دو اور محنت و مشقت، دوڑ دھوپ اور تمہارے سب مشاغل حیات جو تم دنیا میں انجام دے رہے ہو یاد رکھنا (اس کا حساب دینے کے لئے) تم اپنے رب کی طرف جارہے ہو، اس طرح آگاہ کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ زندگی میں عمل کیا جارہا ہے یہ صرف دنیا کی حد تک نہیں ہے بلکہ ایک ایک لمحہ مہلت کے اچھے و برے اعمال کا حساب لیا جانے والا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ، وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ »(جامع ترمذی:2416)

”آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے علم کے سلسلے میں اس پر کہاں تک عمل کیا۔“

اس طرح سال نو کا حقیقی پیغام صرف یہی ہے کہ

ہم اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ

ہم نے پچھلے ایام میں کیا کچھ کمایا اور خرچ کیا اور کہاں کہاں بجا طور پر صرف کیا یا بیجا طریقہ سے خرچ کیا، ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتوں کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کریں، دنیا میں جو کچھ من اللہ عطا کیا گیا ہے اسے یوں ہی ضائع کردیا تو یہ سراسر اللہ کی ناشکری ہوگی، اللہ تعالیٰ ناشکرے اور جھوٹی شان بگھارنے والے شخص کو پسند نہیں فرماتے۔

میں اپنے سارے برادران وطن اور بالخصوص برادرانِ ملت کے لوگوں اور خاص طور پر مسلم لڑکے اور لڑکیوں سے گزارش کروں گا کہ خدارا اس سال نو کی بیجا تقاریب سے اپنے کو دور رکھیں۔

اے نوجوانو! خوب یاد رکھو!

تمہاری جوانیاں اور اس کی خوبصورت بہاریں اللہ کی عطا کردہ ایک امانت ہیں، اس میں ہرگز خیانت نہ کرو، بے پردگی، بے حیائی ایمان کے لئے زہر قاتل ہے، اس سے بچو۔ شراب کباب، حقہ، رقص و سرور کی محفلیں، بے حیائی و عریانیت کے تمام مراکز سے بالکل اجتناب کرنا چاہیے، یہ تو اہل ایمان لڑکے لڑکیوں کے لئے ہلاکت کے سامان ہیں۔

والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی اچھی طرح حفاظت کریں، انہیں بچپن ہی سے اسلامی و اخلاقی عادات کا پابند بنائیں۔ جشن سال نو کے حسین نام سے جتنے بھی ایونٹ کیے جاتے ہیں، اس میں خیر کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا، لہٰذا والدین بھی خود اس سے پرہیز کریں اور اپنے نوجوانوں کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین کریں۔

زندگی کا ہر لحظہ و لمحہ لا قیمت ہے، اس لئے اسے حیات مستعار سمجھتے ہوئے خدائے تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں صرف کریں اور اپنی بچی ہوئی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گزاریں، یہی سال نو کا پیغام ہے۔

ایک معروف شاعر ”ابن انشاء“ نے وقت کی اہمیت کے ناقدروں کو یوں نصیحت کی ہے،

اک سال گیا اک سال نیا ہے آنے کو
پروقت کا اب بھی ہوش نہیں دیوانے کو

☆☆☆

سعید باجبیر کے والد 72 سال کی عمر میں انتقال کرگئے

برمنگھم کے سعید باجبیر کے والد ماجد بعمر 72 سال حیدر آباد دکن میں وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحوم نیک وصالح اور توحید وسنت کے داعی تھے، مسجد عباد الرحمٰن اور جامعات ان کے اور ان کے بچوں کے قائم کردہ ہیں، جہاں پر مثالی دعوت و تبلیغ کا کام ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹوں کو خود کفیل بنایا ہے، جو کوئی مستحقین کی کفالت کرتے ہیں۔

ان کے پانچ بیٹے: عبد اللہ، انور، سعد، زید اور سالم ایک اور بیٹی اور بیوہ کے علاوہ وسیع خاندان غمگسار ہے، قلعہ گولکنڈہ میں ان کا خاندان آل باجبیر ہے۔ خبر ملتے ہی ان کے فرزند سعد باجبیر حیدر آباد دکن روانہ ہوئے۔

دریں اثناء ڈاکٹر عبد الرب ثاقب، مولانا عبد الباسط العمری، مولانا عبد الحق مدنی، قاری عبد العزیز، قاری عبد السمیع، قاری عبد الصمد، ڈاکٹر عبد المنان، عبد الفتاح، قاری عبد الروف، انجینئر حافظ عمار اور دیگر متعلقین واحباب نے مولانا محمد عبد الهادی العمری، صدر مجلس القضاء الاسلامی، برمنگھم سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کے لیے دعا کی ہے کہ اللہ کریم ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یارب العالمین

بار دنیا میں رہو غمزہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کے بہت یاد رہو

☆☆☆

وقت میں تنگی فراخی دونوں ہیں جیسے ربڑ
کھینچنے سے بڑھتی ہے اور چھوڑنے سے جاتی ہے سکڑ

☆☆☆

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

☆☆

بلادِ شام جسے The Levant احادیثِ نبویہ میں 'شام' کہا گیا ہے، دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک بابرکت اور مقدس سرزمین ہے۔ احادیث مبارکہ میں جس خطہ ارضی کو 'شام' کہا گیا ہے، اس کی جغرافیائی حدود اس مملکت سے بہت وسیع ہیں جسے معاصر دنیا 'شام' Syria کے نام جانتی ہے۔ معاصر شام 1946 میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہونے کے بعد دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ اس سے پہلے شام The Levant کے نام سے موجود خطہ ارضی میں فلسطین، اسرائیل، موجودہ شام، اردن، لبنان، سائپرس اور ترکی کا ایک صوبہ شامل تھا۔

اہلِ علم اور جغرافیہ دان حضرات کی ایک جماعت ابو اسحاق اصطخری، یاقوت الحموی، ابن شداد، زکریا القزوینی، شمس الدین اسیوطی اور ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے شام کی حدود کم وبیش ایک ہی جیسی بیان کی ہیں اور وہ طولاً (یعنی شمالاً جنوباً) فرات سے عریش مصر اور عرضاً (یعنی شرقاً غرباً) جبل طے سے بحیرۂ روم تک ہیں۔ حالیہ جغرافیائی تقسیم کے تناظر میں شام سے مراد فلسطین، موجودہ شام، اردن اور لبنان کا علاقہ بنتا ہے۔ (بسام بن خلیل الصفدی، الفتن والملاحم وأشراط الساعۃ فی بلاد الشام، الجامعۃ الإسلامیۃ، غزۃ، 2008ء، ص 51-81)

اگرچہ احادیث میں 'شام' سے مراد بلادِ شام ہے کہ جس میں موجودہ شام کے علاوہ فلسطین، اردن اور لبنان بھی شامل ہے لیکن اس پورے خطہ میں فلسطین میں 'بیت المقدس' اور موجودہ شام میں 'دمشق' کی اہمیت وفضیلت نصوص میں بطور خاص منقول ہے۔

بلادِ شام کے فضائل وبرکات

قرآن مجید میں کئی ایک ایسے مقامات ہیں جو بلادِ شام کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴾ (سورۃ الانبیاء: 71)

"اور ہم نے (سیدنا) ابراہیم اور (سیدنا) لوط کو اسی سر زمین میں پناہ دی کہ جسے ہم نے اہل دنیا کے لیے بابرکت بنایا ہے۔"

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس آیت سے مراد سرزمین شام ہے، کیونکہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کی ہجرت عراق سے شام کی طرف تھی۔" (جامع البیان عن تأویل آی القرآن: الأنبیاء: 17)

اسی طرح بلادِ شام کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں بھی کئی ایک فضائل وبرکات منقول ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا» قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا» قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَفِيْ نَجْدِنَا؟ فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِها يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»

"اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لیے ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت فرما۔" اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور ہمارے نجد میں بھی؟ (یعنی نجد میں بھی برکت کی دعا فرمائیں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دوبارہ دعا فرمائی: "اے اللہ! ہمارے شام اور یمن کو ہمارے لیے بابرکت بنا"۔ راوی کہتے ہیں کہ غالباً تیسری مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے (نجد میں برکت کی دعا کی درخواست پر) فرمایا: "وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ برآمد ہو گا۔" (صحیح بخاری)

اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے بلادِ شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے جو اس خطہ ارضی کی فضیلت کی دلیل ہے۔ اس حدیث میں نجد سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ معروف جغرافیہ دان یاقوت الحموی نے اپنی کتاب 'معجم البلدان' میں اہل عرب کے نزدیک کئی ایک نجد کے علاقوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں نجدِ یمامہ، نجدِ یمن، نجدِ حجاز، نجدِ عراق، نجدِ خال، نجدِ عقاب اور نجدِ اجاء وغیرہ اہم ہیں۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ وغیرہ کا اپنی کتاب 'التمہید' میں یہ قول منقول ہے کہ اس حدیث میں نجد سے مراد نجدِ عراق ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ اور امام ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس روایت کے متعدد طرق 'عراق' ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ بعض روایات میں 'نجد' کی بجائے 'مشرق' کے الفاظ ہیں (صحیح بخاری، کتاب المناقب) اور مدینہ کا مشرق عراق ہے۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث پر 'الفتنۃ من قبل المشرق' کا باب باندھ کر یہ واضح کیا ہے کہ نجد سے مراد مدینہ

کے مشرق کی سمت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نجدِ حجاز ہے، لیکن اس قول کی صورت میں شیطان کے سینگ کے طلوع ہونے سے شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے 'السلسلۃ الصحیحۃ' میں لکھا ہے کہ اشخاص کا مقام ورتبہ ان کے افکار واعمال کے تناظر میں طے ہوتا ہے نہ کہ جگہ کے تقدس وتشاؤم کے پہلو سے، ورنہ تو مقدس سرزمین فلسطین پر اسرائیل کی ریاست قائم ہے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«طُوْبٰى لِلشَّام» فَقُلْنَا: لِأَيِّ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَها عَلَيْها» (سنن الترمذی)

"شام کے لیے خوشخبری ہو۔" ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وجہ سے خوشخبری؟ تو آپ نے فرمایا: "رحمان کے فرشتوں نے اپنے پر شام پر پھیلائے ہوئے ہیں۔"

یہ روایت بھی شام کی سرزمین کے بابرکت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (سلسلہ صحیحہ: 12/2)

دورِ فتن میں شام میں قیام کی تاکید

احادیث نبویہ میں کئی ایک روایات ایسی ملتی ہیں کہ جن میں دورِ فتن میں سرزمین بلادِ شام میں قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذَا رَأَيْتُ عُمُوْدَ الْكِتَابِ احْتُمِلَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِيْ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ مَذْهُوْبٌ بِهِ فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِيْ فَعُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ أَلَا وَإِنَّ الْإِيْمَانَ حِيْنَ تَقَعُ الْفِتَنُ بِالشَّامِ» (مسند احمد)

"اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ کتاب کا عمود میرے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا، پس مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب یہ جانے والا ہے تو میری نگاہ نے اس کا پیچھا کیا اور وہ شام تک پہنچ گئی۔ خبردار! فتنوں کے وقت ایمان شام کی سرزمین میں ہو گا۔"

کتاب کے عمود سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ اہلِ تعبیر یہ کہتے ہیں کہ خواب میں عمود سے مراد 'دین' یا وہ شخص ہوتا ہے کہ جس پر دین کا انحصار ہو۔ اس لیے خواب میں عمود کی دو معروف تعبیرات میں سے ایک 'دین' اور دوسرا 'سلطان' کی گئی ہے۔ (فتح الباری: 304/21)

بہر حال دونوں تعبیرات کی روشنی میں شام کی فضیلت واہمیت مسلم ہے، جیسا کہ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔ حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيْكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ»

(سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الشام)

"جب اہلِ شام بگڑ جائیں گے تو پھر اس اُمت میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گا۔ اور میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا کہ جسے قیامت تک خدائی نصرت شامل حال رہے گی۔ جو انہیں ذلیل کرنا چاہے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔"

پس بلادِ شام میں اصحاب علم وفضل اور اہل حل وعقد کی ایک جماعت قیامت تک ایسی رہے گی کہ جسے خدائی نصرت شامل حال رہے گی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک لطیف نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ خلق وامر میں مبدا و معاد مکہ اور شام ہیں، ارادہ کونیہ ہو یا ارادہ شرعیہ۔ دنیا ودین کی ابتدا مکہ سے ہوئی اور دنیا و دین کی انتہا شام میں ہو گی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی ابتدا اور ظہور مکہ سے ہوا اور اس کا کمال وعروج شام میں مہدی کے ظہور سے حاصل ہو گا۔ (مجموع الفتاویٰ: 705/72)

جیسا کہ بعض روایات میں سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے میں یہی بشارت منقول ہے کہ دمشق کی مشرقی جانب موجود سفید منارہ پر دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ان کا نزول ہو گا۔ (سنن أبي داود، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال)

سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«سَيَصِيْرُ الْأَمْرُ إِلٰى أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ» قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ خِرْ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ أَرْضِه يَجْتَبِيْ إِلَيْهَا خِيَرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ، فَأَمَّا إِنْ أَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ، وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ» (سنن أبي داود، کتاب الجهاد، باب فی سکنی الشام)

"تمہارے دین اسلام کا معاملہ یہ ہو گا کہ تم لشکروں کی صورت میں بٹ جاؤ گے۔ ایک لشکر شام میں، ایک عراق میں اور ایک یمن میں ہو گا"۔ ابن حوالہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں اس زمانے کو پا لوں تو مجھے اس بارے میں کوئی وصیت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شام کو پکڑ لے کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے بہتر سرزمین ہے۔ اللہ کے بہترین بندے اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ پس اگر تمہارا ذہن شامی لشکر کا ساتھ دینے پر مطمئن نہ ہو تو یمن کی طرف چلے جانا اور صرف اپنے گھاٹ سے پانی پینا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا اکرام کرتے ہوئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لے لی ہے۔" (صحیح أبو داود: 4422)

اپنے گھاٹ سے پانی پینے سے مراد یہ ہے کہ اپنے

آبی وسائل تک محدود ہو جاؤ، کیونکہ دورِ فتن ہے، لہٰذا دوسروں کے گھاٹ سے استفادہ کی کوشش فتنوں اور لڑائیوں میں مزید اضافہ کا باعث بن سکتی ہے۔ ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی افتراق و فتن کے ایسے دور میں اللہ کے رسول ﷺ پہلے سے موجود وسائل وذرائع پر قناعت کی تلقین فرما رہے ہیں اور مزید کی حرص وتلاش سے منع فرمارہے ہیں تا کہ یہ عمل امت میں مزید افتراق وانتشار کا باعث نہ بن جائے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيْمَ وَيَبْقٰى فِي الْأَرْضِ شِرَارُ أَهْلِهَا» (سنن أبي داود)

”ہجرت (مدینہ) کے بعد ایک اور ہجرت ہو گی اور زمین پر موجود بہترین لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ کی طرف ہجرت کریں گے اور بقیہ زمین پر صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔“ (سلسلہ صحیحہ: 414)

یہ دورِ فتن کی ہجرت ہے اوراسے ہجرتِ مدینہ کی ہجرت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پس اسلام میں پہلی ہجرت، ہجرت مدینہ تھی جو اہل مکہ کے فتن و آزمائشوں کے سبب ہوئی اور مدینہ منورہ اس ہجرت کے سبب عظیم سلطنت اسلامیہ کے قیام کی نہ صرف بنیاد بنا بلکہ خلافت اسلامیہ کا مرکز اول بھی قرار پایا۔ اسلام میں آخری ہجرت کفار کی آزمائش کے سبب بلادِ شام کی طرف ہو گی جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور مہدی کے ظہور کی سرزمین ہے اور اسی سرزمین میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے بعد دوسری بار خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد رکھیں گے۔ پس اسلام کے ابتدائی عروج کا مرکز مدینہ تھا تو انتہائی عروج کا مرکز ارضِ مقدس ہے۔

بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہلِ روم کی طرف سے اہلِ شام پر اقتصادی پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ سیدنا ابو نضرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ انہوں نے فرمایا:

«يُوْشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يُجْبٰى إِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَلَا دِرْهَمٌ، قُلْنَا مِنْ أَيْنَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَالَ: يُوْشِكُ أَهْلُ الشَّامِ أَنْ لَا يُجْبٰى إِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَلَا مُدْيٌ، قُلْنَا مِنْ أَيْنَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ» (صحیح مسلم)

”قریب ہے کہ اہل عراق کو ان کا قفیز (ماپ تول کا ایک پیمانہ) اور درہم (چاندی کی کرنسی) کچھ فائدہ نہ دے۔ ہم نے کہا: ایسا کہاں سے ہو گا؟ تو انہوں نے کہا: عجم (غیر عرب) سے ہو گا، وہ اسے روک دیں گے۔ پھر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب ہے کہ اہل شام کو ان کا دینار (سونے کی کرنسی) اور مدی (ماپ تول کا ایک پیمانہ) کچھ فائدہ نہ دے۔ تو ہم نے کہا: یہ کیسے ہو گا؟ تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اہل روم کی طرف سے ہو گا۔“

اس روایت کے مفہوم سے اہل فلسطین بھی مراد لیے جا سکتے ہیں کہ جنہیں اسرائیل کی طرف سے متعدد پابندیوں کا سامنا ہے اور موجودہ شام بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جسے حالیہ شورشوں کے سبب کئی اعتبارات سے اقتصادی پابندیوں کا سامنا ہے۔

ایک اور روایت میں دورِ فتن میں سرزمین شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا سلمہ بن نفیل کندی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَذَالَ النَّاسُ الْخَيْلَ وَوَضَعُوا السِّلَاحَ وَقَالُوْا لَا جِهَادَ قَدْ وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا، فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَجْهِهٖ وَقَالَ: «كَذَبُوا الْآنَ الْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ وَلَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ وَيُزِيْغُ اللّٰهُ لَهُمْ قُلُوْبَ أَقْوَامٍ وَيَرْزُقُهُمْ مِنْهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَحَتّٰى يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ، وَالْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُوَ يُوْحٰى إِلَيَّ أَنِّيْ مَقْبُوْضٌ غَيْرَ مُلَبَّثٍ وَأَنْتُمْ تَتَّبِعُوْنِيْ أَفْنَادًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَعُقْرُ دَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ الشَّامُ» (سنن النسائی، کتاب الخیل)

اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے گھوڑوں کو حقیر سمجھ لیا ہے اور ہتھیار رکھ دیے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی جہاد نہیں ہے، جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جنگ تو اب شروع ہوئی ہے۔ اور میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اقوام کے دلوں کو ان کے تابع کر دے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے رزق دے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور اللہ کا وعدہ آ جائے۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے دن کے لیے خیر باندھ دی گئی ہے۔ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ مجھے اٹھا لیا جائے گا اور تم مختلف فرقوں کی صورت میں میری اتباع کرو گے۔ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے۔ ان حالات میں شام اہل ایمان کا گھر ہو گا۔“

مختلف فرقوں سے مراد مذہبی اور جغرافیائی بنیادوں پر اُمتِ مسلمہ کی تقسیم ہے۔ دورِ فتن میں مختلف مکاتب فکر کے پیروکار اور ممالک اسلامیہ کے باشندے اپنے اپنے طور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کریں گے۔ ایسے حالات میں بلادِ شام کو اہل ایمان کا وطن قرار دیا گیا ہے۔

قرب قیامت اور بلادِ شام

قرب قیامت کے حالات وواقعات میں بھی سرزمین شام کی اہمیت کئی ایک روایات میں منقول ہے۔ ایک روایت میں علامات قیامت کے ظہور کے بعد شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ سیدنا سالم بن عبد اللہ بن عمر اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ حَضْرَ مَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ» قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ» (جامع ترمذی)

"قیامت کے دن سے پہلے حضر موت یا حضر موت کے قریب سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گی۔" انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "شام کی سرزمین کو پکڑ لو!"

اس روایت میں قرب قیامت میں سرزمین شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ خروجِ دجال کے دور میں مسلمانوں کی ہجرت کی سرزمین شام ہو گی۔ حضرت ثعلبہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں ایک دن حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں موجود تھا اور وہ یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے نقل کر رہے تھے:

«وَإِنَّهُ يَحْصُرُ (أي الدجال) الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيُزَلْزِلُوْنَ زِلْزَالًا شَدِيْدًا ثُمَّ يُهْلِكُهُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَجُنُوْدَهُ حَتّٰى إِنّ جِذْمَ الْحَاءِطِ أَوْ قَالَ أَصْلَ الْحَائِطِ وَقَالَ حَسَنٌ الْأَشْيَبُ وَأَصْلَ الشَّجَرَةِ لَيُنَادِيْ أَوْ قَالَ يَقُوْلُ يَا مُؤْمِنُ اَوْ قَالَ يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ أَوْ قَالَ هٰذَا كَافِرٌ تَعَالَ فَاقْتُلْهُ»

"دجال اہل ایمان کو بیت المقدس میں محصور کر دے گا۔ پس اہل ایمان اچھی طرح آزمائشوں سے ہلا مارے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکروں کو ہلاک کر دے گا۔ یہاں تک کہ دیوار کی بنیاد اور حسن اشیب نے کہا ہے کہ درخت کی جڑ پکارے گی اور کہے گی: اے بندۂ مومن! یا اے بندۂ مسلم! یہ یہودی ہے، یا یہ کہے گی یہ کافر ہے، آؤ! اسے قتل کرو۔" (مسند احمد: 943/33)

ایک روایت میں سرزمین شام سے چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کو اہل ایمان کے لیے رحمت وفضل الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِيْ أُمَّتِيْ فَيَمْكُثُ أَرْبَعِيْنَ، لاَ أَدْرِيْ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِيْنَ شَهرًا أَوْ أَرْبَعِيْنَ عَامًا، فَيَبْعَثُ اللهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ، ثُمّ يَمْكُثُ النّاسُ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمّ يُرْسِلُ اللهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشّامِ فَلاَ يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيْمَانٍ إِلاّ قَبَضَتْهُ، حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِيْ كَبَدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهُ» (صحیح مسلم، کتاب الفتن)

"دجال میری امت میں چالیس تک رہے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ چالیس سے مراد چالیس دن، یا چالیس مہینے یا چالیس سال ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجیں گے جو عروہ بن مسعود سے مشابہ ہوں گے۔ پس وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اسے قتل کریں گے۔ پھر لوگ 7 سال تک اس حال میں رہیں گے کہ دو آدمیوں کے مابین بھی دشمنی نہ ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجیں گے اور دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہے گا کہ جسکے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان یا خیر ہو، چاہے وہ پہاڑ کی کھوہ میں ہی داخل کیوں نہ ہو جائے، وہاں بھی وہ ہوا گھس کر اس کی روح قبض کر لے گی۔"

اس روایت میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت اور اس دن کی سختیاں صرف شریر لوگوں کے لیے ہوں گی اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس سے پہلے ہی اٹھالیں گے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں، سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَحَوّلَ خِيَارُ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الشّامِ وَيَتَحَوّلَ شِرَارُ أَهْلِ الشّامِ إِلَى الْعِرَاقِ» وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِالشّامِ» (مسند احمد: 163/63)

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ عراق کے بہترین لوگ شام اور شام کے بدترین عراق میں نہ چلیں جائیں۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایسے حالات میں شام میں سکونت اختیار کرو۔"

اس روایت کے مطابق قیامت سے پہلے تمام اہل ایمان شام میں جمع ہو جائیں گے۔ مذکورہ بالا روایات اور اس جیسی روایات سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ خیر وشر کے آخری معرکہ میں اصل کردار جس خطۂ ارضی نے ادا کرنا ہے وہ سرزمین بلادِ شام ہے۔ بلادِ شام کی فضیلت واہمیت، اہل ایمان کو دورِ فتن میں سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی ترغیب وتشویق، تا قیامت بلادِ شام کو اللہ کی نصرت پر مبنی مسلمانوں کی علمی وسیاسی قیادت وسیادت کا مرکز قرار دینا، دورِ فتن میں بلادِ شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دینا، ارضِ شام میں نزولِ عیسیٰ اور ظہورِ مہدی کی خبریں وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں جو اُمتِ مسلمہ کے عروجِ ثانی میں سرزمین شام کے فیصلہ کن کردار کا فیصلہ سنا رہی ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ خدمت اقدس میں

سرداران قریش صحن کعبہ میں جمع ہیں، اسلام کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت ان کا موضوع بحث ہے، کچھ طاقتور افراد عمر بن خطاب، حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کے قبول اسلام نے انہیں پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، اب انہیں احساس ہو چلا کہ اسلام کا یہ چراغ پھونکوں اور دھمکیوں سے گل نہیں کیا جا سکے گا، لہٰذا طے پایا کہ گفت و شنید، رغبت و لالچ کا سہارا لیا جائے، انہوں نے اپنے ایک قابل فخر سپوت جس کی فہم و فراست ضرب المثل تھی، عتبہ بن ربیعہ کو دلفریب لالچ اور مکمل اختیارات دے کر بطور قاصد رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ بڑے خاندان کا بڑا آدمی جملہ مشرکین کی نمائندگی کرتے ہوئے خدمت عالیہ میں پہنچ کر باادب بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ ذاتی طور پر اس قاصد کے خاندانی پس منظر اور اس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے، آپ اس قاصد کی طرف متوجہ ہوئے، وہ اصل عنوان پر گفتگو سے پہلے آپ ﷺ کے رتبۂ بلند اور مقام عالی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا، اے میرے بھتیجے! یہ دل موہ لینے والا انداز ہے، خاندان و قبیلہ میں آپ کا جو مقام ہے، ہمیں اس کا اعتراف ہے لیکن آپ کی نئی دعوت اور انوکھے پیغام توحید نے ہمارے لیے بڑی مشکلات پیدا کر دی ہیں، اس پیغام کے سبب آپ نے قومی یگانگت کو سخت نقصان پہنچایا، کچھ نا سمجھ بہکاوے میں آ گئے، آپ نے ان کی نظروں میں ان کے آبائی عقائد و نظریات کو بے وقعت کر دیا، مورتی پوجا کی تکفیر کی۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ کے ذاتی اوصاف کے اب بھی ہم قائل ہیں، لہٰذا میری گزارش اور پیشکش پر غور کیجیے، رسول حکیم ﷺ نے اس نمائندہ خصوصی کی بات سنی اور تکریم کے ساتھ فرمایا کہ اے ابو الولید!

یاد رہے عرب کلچر میں اس طرح کا اسلوب کہ نام کے بجائے کنیت سے خطاب مخاطب کی عزت افزائی کی علامت ہے، کہا کہ تم بلا جھجک اپنی بات کرو، میں ہمہ تن گوش ہوں! قاصد نے بھی ادب و تکریم کا لہجہ اپناتے ہوئے کہا کہ بھتیجے! اگر آپ کی اس دعوت کا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں کوشش کر کے اس قدر سیم و زر اکٹھا کر کے آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیتے ہیں کہ آپ ہم میں سب سے زیادہ دولتمند کہلائیں، یا اس دعوت کے ذریعہ آپ اپنی سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بلا شرکت غیرے تادم زیست اپنا لیڈر و رہنما تسلیم کر لیتے ہیں، یا آپ پر ان دیکھی آفتوں اور بلاؤں کا حملہ ہوا ہے تو ہم ماہرین سے علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ اطمینان کے ساتھ پوری بات سنتے رہے، جب قاصد خود ہی رک گیا، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آئے ابو الولید! آپ نے اپنی بات مکمل کر لی، اس نے ہاں میں جواب دیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب میری بات غور سے سنو، قاصد نے وعدہ کیا اور پورے انہماک کے ساتھ متوجہ ہوا، آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ فصلت کی ابتدائی چند آیات تلاوت فرمائیں، تلاوت کا اسلوب نبوی اور سامع ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا ہو تو اس کی تاثیر کے کیا کہنے! تلاوت کرتے ہوئے جب آپ ﷺ سابقہ بعض قوموں عاد، ثمود اور ان پر آنے والے عذاب کے تذکرہ تک پہنچے، قاصد بے چین ہو کر اپنا ہاتھ خوف کے مارے رسول حکیم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ رحم کیجیے، اپنی قوم پر کہ کہیں قریش پر عذاب ہی نہ آ جائے، پھر بڑی تیزی کے ساتھ مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور سرداران قریش جو منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے کہا کہ محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑنے میں ہی ہمارے لیے عافیت ہے، اس عقل مند قاصد سے انہیں ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ شور مچا کہ تم پر بھی ان کے جادو کا اثر سرایت کر گیا، ایک ہی مجلس میں تم بہک گئے، اس نے کہا کہ جو کلام میں نے سنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نہ وہ جادو ہے، نہ ہی شاعری اور نہ ہی دیوانگی یا کہانت کا اثر ہے، میری عقل و فہم سے بہت بلند و بالا کلام ہے۔

آپ ﷺ نے مذکورہ آیات کی تلاوت کے ذریعہ آنے والے قاصد کے اعتراضات اور پیشکش کا جواب بھی دے دیا اور دعوت حق بھی پیش کر دی کہ میری یہ کوشش حصول دولت یا جاہ و منصب کے لیے نہیں بلکہ جو کچھ میں لوگوں کو پیش کر رہا ہوں وہی احکام مجھ پر بھی لاگو ہوتے ہیں، اسی توحید پر میرا ایمان ہے اور اسی پیغام اور ہدایات کا میں بھی پیروکار ہوں، یہ کلام حق کی بیماری یا جسمانی عوارض کے سبب نہیں، اللہ رب العالمین کی مہربانی اور لطف و کرم کا نتیجہ ہے۔

آپ ﷺ نے جو اسلوب اپنایا اور موقع محل کے اعتبار سے جو آیات تلاوت فرمائی۔ وہ حکیمانہ طرز کی اعلیٰ مثال ہے کہ تلاوت ختم کرنے سے پہلے ہی نمائندہ خصوصی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ گھبرا گیا کہ ہماری اس نافرمانی کے سبب قوم عاد و ثمود پر آنے والے عذاب ہی جیسا کوئی عذاب قریش پر بھی نازل نہ ہو جائے، اپنی پیشکش کے بجائے اپنی قوم کے لیے رحم کی استدعا کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

سیرت کے اس اہم واقعہ میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ مخالفین و معاندین کے ساتھ آپ ﷺ کی گفتگو کا

انداز کیا تھا، آپ ﷺ نے قاصد کی جانب سے آپ کی ذات پر جو حملہ کیا گیا اور جو پیشکش کی گئی وغیرہ و غیرہ ان جزئیات کی وضاحت میں وقت ضائع کرنے کے بجائے توجہ اصل نکتہ اور پیغام پر مرکوز رکھی ذیلی باتیں خود اپنے آپ ہی حل ہو گئیں۔

غیر مہذب حرکت کی اصلاح کا نبوی اسلوب

رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، ایک دیہاتی شخص شہری تہذیب سے ناواقف، دینی مسائل سے بے خبر مسجد نبوی میں داخل ہوا، ایک طرف ہو کر مسجد ہی میں پیشاب کرنے لگا، اس کا یہ فعل ہر اعتبار سے غلط تھا کہ مقدس ترین سرزمین پاکیزہ ترین مجلس کو وہ پیشاب کی نجاست سے آلودہ کر رہا تھا، اس کے خلاف صحابہ کی ناگواری حق بجانب تھی جو اس اجنبی کو روکتے ہوئے دوڑ پڑے، رسول رحمت ﷺ نے اس دیہاتی سے زیادہ صحابہ پر توجہ دی کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ اپنا پیشاب روکنے کی کوشش نہ کرے۔ صحابہ اس ناگوار حرکت کے باوجود چپ ہو رہے، وہ اجنبی جب اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے قریب بلا کر ایسے حکیمانہ انداز سے سمجھایا کہ یہ مساجد ہیں، بول و براز، نجاست یہاں کسی لحاظ درست نہیں، یہ ذکر واذکار، صلاۃ اور تلاوت قرآن وغیرہ کے لیے ہیں۔ دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس نجاست کی صفائی کا طریقہ بتایا کہ ایک بالٹی پانی وہاں بہادو، وہ جگہ پھر سے پاک وصاف ہو جائے گی۔ نو وارد دیہاتی نے کہا کہ میری اس حرکت پر رسول رحمت ﷺ نے میری نہ زجر و توبیخ کی اور نہ ہی سرزنش کی۔ فَلَمْ يُؤَنِّبْ، وَلَمْ يَسُبَّ (سنن ابن ماجہ:529)

آپ ﷺ کے مشفقانہ اسلوب کا اس پر اتنا گہرا اثر ہوا اس اعرابی کی زبان سے بے ساختہ یہ دعا نکلی کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما، محمد ہمارے ساتھ اس مہربانی میں کسی اور کو شامل نہ کر، اس دعا پر بھی آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے نکیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان حد بندیوں سے بلند تر ہے، ان کے خزانوں میں کمی نہیں، تم کیوں رحمت پروردگار کو صرف دو آدمیوں تک محدود کرنا چاہتے ہو۔

"لقد حجرت و اسبعا"

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس اعرابی کے خلاف کچھ کرنے سے منع کیا۔

اس کے دو اسباب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں:

ایک تو خود اس شخص کو کسی بھی ضرر سے بچانا تھا، کیونکہ پیشاب کرتے ہوئے اچانک روک لیا جائے تو بسا اوقات اس کے مضر اثرات اس پر پڑ سکتے ہیں۔

اور دوسرا سبب اس کے پیشاب مکمل کر لینے سے مختصر جگہ آلودہ ہو گی اگر اس کو روکنے کی کوشش کی جائے اور وہ نہ رکے تو اس سے مزید گندگی پھیلے گی، زیادہ جگہ بلکہ خود اس دیہاتی کے لباس اور بدن کا زیادہ حصہ نجاست سے متاثر ہو سکتا تھا۔

اس واقعہ میں کئی سبق آموز پہلو ہیں، ایک ناپسندیدہ حرکت پر آپ ﷺ نے جو حکیمانہ اسلوب اختیار فرمایا اور اس حکمت کے جو اثرات مرتب ہوئے، وہ داعیان دین اور ذمہ داروں کے لیے بہت ہی توجہ طلب ہیں۔ (صحیح بخاری: 219؛ صحیح مسلم:285)

اہم امور میں رازداری کی حکمت

رمضان کا مہینہ سن 8 ہجری، دس ہزار مجاہد صحابہ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ عازم مکہ مکرمہ ہیں، اس اہم ترین معرکہ کے لیے تیاری کچھ ایسی کی گئی کہ اکثر صحابہ کو بھی روانگی سے پہلے اندازہ نہیں ہو سکا کہ قصد کہاں کا ہے۔ مکہ کی جانب روانگی سے قبل صحابہ کرام کا ایک مختصر دستہ مخالف سمت بھیجا گیا، تاکہ مخبری کرنے والے غلط فہمی ہی میں رہیں کہ روانگی فلاں علاقہ پر چڑھائی کے لیے شاید ہے، اس وقت سمت معلوم کر کے ہی منزل کا اندازہ کیا جاتا، پھر آپ ﷺ بجانب مکہ روانہ ہوئے اور یہ خصوصی دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ خذ العيون والأخبار عن قريش حتى نبغتها في بلادها

کہ بار الہٰی، ہماری روانگی اور ارادہ سے قریش کے جاسوس اور اہل مکہ کو بے خبر رکھیو۔

قریب پہنچ کر مقام کدید کے متصل وادی فاطمہ میں مکہ کی سرحد پر پڑاؤ ڈالا اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ رات ہر شخص اپنا چولہا الگ سے جلائے، دس ہزار مجاہدین نے جب اپنے اپنے حصہ کی آگ جلائی تو صحرائی علاقہ روشنی سے بھڑک اٹھا، شہر مکہ کے اطراف واکناف مشرکین انجانے خطرہ سے بے چین تھے، انہیں معلوم تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی، اس کا خمیازہ کسی بھی وقت بھگتنا ہو گا اور ان کے ذمہ دار چاروں طرف نظریں لگائے ہوئے تھے، جب اس غیر متوقع آگ کو دیکھا تو ان کے دل ویسے ہی ڈوب گئے کہ یہ کیا ہو سکتا ہے۔ ابو سفیان ان لوگوں میں تھے جو منڈلاتے خطرات سے پریشان تھے، جب دور سے آگ دیکھی تو خدشہ قوی تر ہو گیا کہ کہیں یہ مسلمانوں کی یلغار ہی نہ ہو، اگر اتنی تعداد اور اس درجہ کی تیاری کے ساتھ وہ مکہ پر حملہ آور ہوئے تو ہمیں خس و خاشاک کی طرح بہا کرلے جائیں گے، کہیں ویرانے میں روساء قریش کی گفتگو جاری تھی، ادھر سے عم نبی ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنی سراغرسانی کرتے ہوئے آدھمکے، رات کی تاریکی کے سبب ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہے تھے، لیکن ابو سفیان کی آواز پہچان گئے، اور بتایا کہ مشرکین قریش کی شامت صبح تڑکے ان کے سر منڈلا رہی ہے۔ ابو سفیان جن کا دل ڈوبا جا رہا تھا وہ اس آواز کو پہچانتے ہوئے از راہ ترحم دریافت کیا کہ اب تمہارے لیے راہ نجات کیا ہے، فرمایا: سوائے اسلام کے کہیں امن نہیں مل سکتا، پھر نہایت پھرتی کے ساتھ انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر بچتے بچاتے رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، قبل اس کے کہ اس بڑے شکار پر کسی کی نظر پڑے، ورنہ اس کی

گردن اتاری جاسکتی ہے، بارگاہ نبوی میں ایک بڑا مجرم، سردار مکہ سالار مشرکین نہایت عجز وانکساری، شکست اور ندامت کے ساتھ سر نگوں کھڑا تھا، رحمت عالم ﷺ کے سامنے اس کی اسلام دشمنی اور سرکشی کی ساری داستان تھی، آپ ﷺ نے اپنے چچا کو حکم دیا، اس کو تم اپنے خیمہ میں رکھو، صبح سویرے لے آنا، جانے رات کیسے بیتی، حسب حکم صبح سویرے اس شکار کو لیے عم رسول ﷺ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے نہ اس پر تلوار چلائی اور نہ ہی کسی کو اس کا حکم دیا بلکہ اس نازک موقع پر دعوت اسلام پیش کی کہ کیا قبول حق کا وقت ابھی نہیں آیا، ابوسفیان نے قبول اسلام کا اقرار کیا، پھر اس نو مسلم کو اسلامی فوج کی ایسی گزر گاہ پر کھڑا کیا ہو، جہاں سے وہ لشکر اسلامی کی سطوت وعظمت کا مشاہدہ کر سکے، ترتیب شدہ پروگرام کے مطابق مجاہدین الگ الگ دستوں میں اپنے اپنے لیڈر کے ساتھ گزرنے لگے، ابوسفیان ہر گذرنے والے کی بابت دریافت کرتے، عم نبی ﷺ سے کہ یہ کون ہے؟ بالآخر مختلف انصار و مہاجرین کے حصار میں رسول اللہ ﷺ نمودار ہوئے، ابوسفیان نے استفسار کیا کہ یہ کون ہیں، کیونکہ جنگی لباس کی وجہ سے شناخت نہیں ہو سکتی تھی، جب بتایا گیا کہ رسول رحمت ﷺ کی ذات با برکت ہے، نبوت کی عظمت اور آپ کی شان کی جھلک دیکھی تو ابوسفیان نے صدق دل سے توحید کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی صداقت کا پھر سے اعتراف کرتے ہوئے شہادتین کا اقرار کیا لیکن ابوسفیان کے قبول اسلام کا اشتہار نہیں کیا گیا اس میں بڑی حکمتیں پنہاں تھیں۔

شہر مکہ میں داخلہ کے لیے آپ ﷺ نے جن دستوں کے لیے جو راستے متعین فرمائے تھے، ان ہی راستوں سے وہ مسجد حرام کا رخ کر رہے تھے، یوں سارا شہر مجاہدین کے نرغے میں تھا، عین موقع پر اعلان عام کیا گیا جو مسجد حرام میں داخل ہو، اسے امن ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اسے امن ہے۔

«من دخل دار أبي سفيان فهو امن، ومن دخل المسجد فهو امن، ومن أغلق بابه فهو امن»

اس کٹھن اور نازک موقع پر یہ اعلان مشرکین مکہ کو مزید الجھن میں ڈال دیا کہ کیا سردار مکہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا، اگر وہ اس دین میں داخل ہو چکا ہے تو ہم اس کے مخالف کیوں؟ اور مسلمان نہیں ہوا تو اس کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کیوں برتی جارہی ہے کہ پروانہ امن اسے دیا جارہا ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو اور اسے بھی جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو، کیا دامن اسلام میں عفو و درگذر کی اتنی وسعت ہے کہ مخالف اسلام سردار مکہ اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی کئی جنگوں کے سالار کے ساتھ بھی یہ امتیازی سلوک اور اعزاز۔

یہ رسول رحمت ﷺ کی جنگی حکمت ہی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کے مقدس ترین علاقہ کی فتح میں باقاعدہ لڑائی کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، بعض مشرکین کی نادانی کے سبب مضافات میں کچھ معمولی جھڑپیں ہوئیں اور قوت آزمائی کا انہیں نقصان اٹھانا پڑا، ان چند اموات کے علاوہ نہ کسی کا جانی نقصان اور نہ ہی مالی نقصان ہوا، نسبتاً زیادہ مشکل مرحلہ خندمہ پہاڑی (مکہ میں داخلہ کا ایک پہاڑی راستہ) پر متوقع تھا وہاں چند ماہر جنگجو جمع تھے، دوسری طرف مسلمانوں کے دستہ کی کمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، اس مورچہ پر مخالفین کی جس انداز سے پسپائی ہوئی، اس کو مشرکین کا مشہور بہادر حماس بن قیس جس کی جنگی مہارت کے سب معترف تھے، اس کے اشعار میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، وہ مورچہ سے اپنے گھر پہنچ کر بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کر دو، عرب زمانہ جاہلیت کی پردہ خاتون اسے اپنے بہادر شوہر کا یہ بزدلانہ جملہ باعث عار لگا، اتنا دلیر اس قدر خوفزدہ اور بزدل کیسے؟ اس نے مجاہدین کا جو نقشہ کھینچا، اشعار میں وہ خود عربی ادب وبلاغت میں مثال بن گئے، اگر تم خندمہ پہاڑی کے مورچہ پر ہوتیں تو بچشم خود مشاہدہ کر لیتیں کہ یہ کتنا ہولناک منظر تھا، جب صفوان اور عکرمہ جیسے بہادر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہمارا سامنا ایسی بے نیام تیز چمکدار تلواروں کے ساتھ ہوا جن کی ضرب سے بدن کا جوڑ جوڑ متاثر اور کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں، ایسی یلغار جس کی جھنجھناہٹ شیروں کی دھاڑ سے زیادہ خوفناک تھی کہ اس سے سانسیں اکھڑی جا رہی تھیں۔

پھر آپ ﷺ کامیاب اور فاتح سپہ سالار کی حیثیت سے صحن کعبہ میں جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفین اسلام جمع تھے، آپ ﷺ کا ایک حکم ان سب کی زندگیوں کا خاتمہ کر سکتا تھا، اس دور کے مروجہ قانون حرب کے مطابق اس کا پورا حق آپ کو تھا لیکن دنیا نے ایسے کامیاب سپہ سالار کو کبھی نہیں دیکھا، جب آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کیا توقع کر رہے ہو، انہوں نے بہ ایک زبان کہا: خیر و بھلائی کی، آپ ایک کریم النفس بھائی اور مشفق و مہربان بھائی کے فرزند ہیں، آپ ﷺ نے اپنے بھائی سیدنا یوسف علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے سوتیلے بھائیوں کے لیے جو اعلان معافی کیا تھا کہ تم پر کوئی گرفت نہیں تم آزاد ہو۔ میں بھی تمہارے لیے آزادی کا اعلان کرتا ہوں۔

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (سورہ یوسف: 92)

اس اعلان معافی کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرکین کی ایک بڑی تعداد نے وہیں دین اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، اس رحم و کرم اور پیکر لطف و عنایت کو چھوڑ کر ہم جائیں بھی کدھر!

فتح مکہ تک کا سارا واقعہ حکمت و بصیرت اور دوراندیشی کی تابناک مثال ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

ابوحمدان اشرف فیضی (ناظم جامعہ محمدیہ عربیہ، رائیدرگ)

پڑوسی کی اہمیت وضرورت: ہم ایک مخلوط ماحول میں زندگی گزارتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں، ہمارے ساتھ پاس پڑوس اور گلی محلے کے لوگ بھی بستے ہیں، ہمارے قریبی اور خاص لوگوں میں پڑوسی بھی بہت اہم ہوتے ہیں، بسا اوقات کسی ناگہانی آفت میں اہل خاندان اور اعزہ واقارب بعد میں پہنچتے ہیں جب کہ پڑوسی فوراً حاضر ہو جاتے ہیں، اسی لیے نیک وصالح پڑوسی کا وجود انسان کے لیے باعث سعادت بتایا گیا ہے، حدیث میں ہے:

«أربعٌ مِنَ السّعادةِ: الْمَرأةُ الصّالِحُةُ، والْمَسكنُ الْواسِعُ، والْجَارُ الصّالِحُ، والْمَركبُ الهنيءُ. وأرْبعٌ مِنَ الشّقاءِ: الجَارُ السُّوءُ، والمرأةُ السُّوءُ، والْمَرْكَبُ السُّوءُ، والْمَسْكنُ الضّيّقُ» (صحیح ابن حبان: 4032؛ صحیح الترغیب: 1914) "چار چیزیں سعادتمندی کی علامت ہیں: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی، آرام دہ سواری اور چار چیزیں بد نصیبی کی علامت ہیں: برا پڑوسی، بری عورت، بری سواری، تنگ گھر۔"

اور برے پڑوسی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَارِ السَّوْءِ فِي دَارِ الْمُقَامِ، فَإِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ عَنْكَ» (سنن نسائی: 5502)

"مستقل رہائش میں برے پڑوسی سے پناہ مانگو، کیونکہ عارضی پڑوسی تو جلد بہ دیر تجھ سے دور ہو جائے گا۔"

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں برے پڑوسی سے پناہ مانگتے تھے۔ (ملاحظہ ہو: مسند البزار: 8496؛ مسند ابویعلی: 6536؛ مستدرک الحاکم: 1951؛ سلسلہ صحیحہ: 3943)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"الْجَارُ قَبْلَ الدّارِ وَالرّفِيقُ قَبْلَ الطّرِيقِ."

(بہجۃ المجالس: 1/291؛ الآداب الشرعیۃ: 2/15)

"گھر بسانے سے پہلے پڑوسی دیکھ لو، سفر کرنے سے پہلے دوست دیکھ لو۔"

پڑوسی کے مراتب وانواع:

پڑوسی کئی طرح کے ہوتے ہیں، ان میں درجات ہیں، بعض بعض سے افضل ہیں، ہمیں ان کے درجات وحقوق کا لحاظ رکھنا چاہیے مثلاً:

1۔ غیر مسلم پڑوسی: جسے صرف ایک حق حاصل ہوتا ہے اور وہ حق جوار (ہمسائیگی کا حق) ہے۔

2۔ مسلمان پڑوسی: جسے دو حق حاصل ہوتے ہیں، پڑوسی کا حق اور اسلام کا حق۔

3۔ مسلمان رشتے دار پڑوسی: جسے تین حق حاصل ہوتا ہے، پڑوسی، اسلام اور رشتے داری کا حق۔ (تفسیر القرطبی: 5/184؛ فتح الباری: 10/441)

پڑوسی کی حد: پڑوسی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟

اس کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے، بعض مشہور اقوال درج ذیل ہیں:

1۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَهُوَ جَارٌ."

"محلے کے جتنے لوگ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے مؤذن کی آواز سنتے ہیں وہ سب پڑوسی کہلائیں گے۔"

2۔ جتنی دور تک کے لوگ اقامت سنتے ہیں وہ پڑوسی ہیں۔

3۔ جو مسجد میں آکر فجر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھے وہ ہمارا پڑوسی ہے۔

4۔ چاروں طرف سے چالیس گھر کے لوگ پڑوسی ہیں، یہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا، امام اوزاعی، امام حسن بصری اور امام زہری رحمہم اللہ وغیرہ سے مروی ہے۔ (تفسیر القرطبی: 5/185؛ فتح الباری: 10/447؛ فتح القدیر للشوکانی: 1/743؛ جامع العلوم والحکم: 1/347)

5۔ راجح بات یہ ہے کہ پڑوسی کا اطلاق عرف کے اعتبار سے ہوگا، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والظّاهِرُ أنّ مَبْنَى الْجِوَارِ عَلَى الْعُرْفِ."

(تفسیر الآلوسی: النساء: 36)

اس لیے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ شریعت کے جو امور مطلق ہیں اور شریعت ولغت میں ان کے بارے میں کوئی ضابطہ نہ ہو تو وہاں عرف کا لحاظ ہوگا۔ (الأشباہ والنظائر للسیوطی: 98؛ فتح القدیر للشوکانی: 1/743)

لہٰذا ایسی صورت میں عرف میں پڑوسی جسے سمجھا جاتا ہو وہ ہمارا پڑوسی شمار ہوگا۔

زیادہ حق دار پڑوسی:

ہمارے حسن سلوک اور تحفے تحائف کا زیادہ حق دار پڑوسی کون ہے؟ اس سلسلے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول!

إِنّ لِي جَارَيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي ؟ قَالَ: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا (صحیح بخاری: 2259)

"میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان دونوں میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔"

غیر مسلم پڑوسی: دین اسلام دین رحمت ہے، جو سماج کے ہر طبقے کے ساتھ احسان وبھلائی اور انصاف کا حکم دیتا ہے، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف سے بچانا کامل ومثالی مومن کی علامت بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (سورۃ الممتحنہ: 8)

” جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمھیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمھیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ» (سنن نسائی: 4995)

”مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں اطمینان رکھیں۔“

دوسری حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ» (سنن ترمذی: 1987)

”اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔“

کتاب وسنت میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو تعلیمات ہیں وہ عام ہیں جس میں مسلم، غیر مسلم، دوست، دشمن، قریبی اجنبی سب شامل ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واسْمُ الْجَارِ يَشْمَلُ الْمُسلِمَ والْكَافِرَ، والْعَابِدَ وَالْفَاسِقَ، والصّدِيقَ والْعَدُوَ، والْغَرِيْبَ والْبَلَدِي، والنّافِعَ والضّارَ، وَالْقَرِيْبَ والْأَجْنَبِي، والأَقْرَبَ دارًا والأَبْعدَ، ولَهُ مَراتِبُ بَعضُها أَعْلٰى مِن بَعضٍ، فَأَعْلاها مَن اجْتَمَعَتْ فِيهِ الصِّفَاتُ الأَوَلُ كُلُها، ثُمّ أَكثَرُها، وهَلُمّ جرًا، فَالْجَارُ الذِّي بَيْنَك وَبَينَه قَرَابَةٌ حَقُّه آكدُ مِنْ حَقّ الْجَار الْأجنَبي، وحقُّ الْجارِ الْمُسلِمِ آكدُ مِنْ حَقّ الْجَارِ الْكَافِرِ، والْمُلَاصِقُ حَقُّه مُقَدّمٌ عَلَى حَقّ الْبَعِيدِ، وقد روى البخاري." (صحیح بخاری: 2140)

عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: قلت: يا رسول الله، إن لي جارين فإلى أيهما أهدي؟ قال: إلى أقربهما منك بابًا (فتح الباری: 10/441)

”پڑوسی کے اطلاق میں مسلم، کافر، عابد، فاسق، دوست، دشمن، اجنبی، مقیم، مفید، مضر، قریبی، دور والا، گھر سے قریب اور دور سب شامل ہیں اور پڑوسی کے کئی مراتب ہیں، جن میں بعض بعض سے اعلیٰ وافضل ہیں، ان سب میں سب سے اعلیٰ وہ ہے جس میں ابتدائی تمام صفات یا اکثر صفات داخل ہیں، جس میں زیادہ صفات ہوں وہ افضل ترین ہے اور وہ پڑوسی جس کے درمیان اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہو اس کا حق اجنبی پڑوسی کے بہ نسبت زیادہ ہے اور مسلمان پڑوسی کا حق غیر مسلم پڑوسی کے بہ نسبت زیادہ ہے اور گھر سے متصل پڑوسی کا حق مقدم ہے دور رہنے والے پڑوسی سے۔ جیسا کہ بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان دونوں میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی پر عمل کیا ہے، وہ غیر مسلم پڑوسی کا بھی خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ، أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةً فَقَالَ : أَهْدَيْتُمْ لِجَارِي الْيَهُودِيِّ ؟ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّى ظَنَنْتُ أَنّهُ سَيُوَرِّثُهُ (سنن ابوداؤد: 5152)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو (گھر والوں) سے کہا: کیا تم لوگوں نے میرے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا (نہ بھیجا ہو تو بھیج دو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: سیدنا جبرائیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان گزرا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔“

حسن سلوک کا تاکیدی حکم: اسلام میں پڑوسیوں کا بہت بڑا مقام ہے، ان کا عظیم حق ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم آیا ہے، بعض نصوص ملاحظہ فرمائیں:

1۔ احسان کا حکم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ (سورۃ النساء: 36)

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔“

آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے حق کے ساتھ بندوں کے حقوق ذکر کیے ہیں اور ان میں ایک حق پڑوسی کا بتایا ہے، اس سے پڑوسیوں کے حق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

2۔ ایمان کا تقاضا: سیدنا ابوشریح (خویلد بن عمرو)

خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ» (صحیح مسلم:48)

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔“

3۔ اکرام کا معاملہ: سیدنا ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ سَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ (صحیح بخاری: 6019)

”میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمارہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔“

4۔ حسن سلوک کی وصیت: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ (صحیح بخاری: 6015)

”جبرائیل علیہ السلام مجھے اس طرح بار بار پڑوسی کے حق میں وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک کر دیں۔“

5۔ کامل مومن کی علامت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ؛ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ» (جامع ترمذی: 2305)

”کون ایسا شخص ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سن کر ان پر عمل کرے یا ایسے شخص کو سکھلائے جو ان پر عمل کرے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں ایسا کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ باتوں کو گن کر بتلایا: تم حرام چیزوں سے بچو، سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم شدہ رزق پر راضی رہو، سب لوگوں سے زیادہ بے نیاز رہو گے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو پکے سچے مومن رہو گے اور دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو سچے مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسو اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔“

6۔ حسن اخلاق کا پیمانہ: ایک انسان کے اچھا اور برا ہونے کا ایک پیمانہ یہ ہے کہ اس کا پڑوسی اسے اچھا کہے، پاس پڑوس کے لوگوں کے ساتھ اس کا معاملہ اتنا اچھا ہو کہ وہ اس کے حسن اخلاق کی گواہی دیں، غائبانہ طور پر اس کے نیک تذکرے کریں، اگر ایسا ہے تو گویا وہ اچھا انسان ہے، حدیث میں ہے:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

كَيْفَ لِي أَنْ أَعْلَمَ إِذَا أَحْسَنْتُ وَإِذَا أَسَأْتُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا سَمِعْتَ جِيرَانَكَ يَقُولُونَ: أَنْ قَدْ أَحْسَنْتَ، فَقَدْ أَحْسَنْتَ، وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ: قَدْ أَسَأْتَ، فَقَدْ أَسَأْتَ (سنن ابن ماجہ:4223)

”جب میں کوئی اچھا کام کروں تو کیسے سمجھوں کہ میں نے اچھا کام کیا ہے؟ اور جب برا کام کروں تو کیسے جانوں کہ میں نے برا کام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے پڑوسیوں کو کہتے ہوئے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا ہے، تو سمجھ لو کہ تم نے اچھا کام کیا ہے اور جب تمہارے پڑوسی کہیں کہ تم نے برا کام کیا ہے، تو سمجھ لو کہ تم نے برا کام کیا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَاللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ» (جامع ترمذی: 1944)

”اللہ کے نزدیک سب سے بہتر دوست وہ ہے جو لوگوں میں اپنے دوست کے لیے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔“

بعض حکماء سے منقول ہے:

"ثَلَاثٌ إِذَا كُنَّ فِي الرَّجُلِ لَمْ يُشَكَ فِيْ عَقْلِهِ وَفَضْلِه: إذا حَمِدَهُ جَارُهُ وقَرَابَتُهُ وَرَفِيقُه." (الآداب الشرعیۃ: 16/2)

”تین چیزیں اگر کسی آدمی میں موجود ہوں تو اس کی عقل مندی اور فضیلت میں شک نہیں کیا جاسکتا: جب اس کا پڑوسی، رشتے دار اور دوست واحباب اس کی تعریف کریں۔“

7۔ تحفے تحائف دینا: پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی ایک شکل یہ ہے کہ پڑوسی کو تحفے تحائف دیئے جائیں اور اس کی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے، بوقت ضرورت مدد کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ، إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ» (صحیح مسلم: 2625)

”ابو ذر! جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ رکھو اور اپنے پڑوسیوں کو یاد رکھو۔“

اسی طرح خواتین کو تاکید فرمائی:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ» (صحیح بخاری: 2566)

”مسلمان عورتو! ہر گز کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے (معمولی ہدیہ کو بھی) حقیر نہ سمجھے، خواہ بکری

کے کھر کا ہی کیوں نہ ہو۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي جِدَارِهِ.» (صحیح بخاری: 2463)

"کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے۔"

حسن سلوک کی بعض شکلیں:

- پڑوسی اگر غریب وکم زور ہے یا ضرورت مند ہے تو اس کی مالی مدد کرنا۔
- بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔
- خوشی میں مبارک بادی پیش کرنا اور غمی میں تسلی دینا۔
- اگر انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہونا۔
- پڑوسی کے آرام وراحت کا خیال رکھنا۔
- کسی بھی طرح تکلیف نہ دینا، جیسے بلند آواز میں گانا اور میوزک استعمال کر کے، گندگی ڈال کر، راستے میں سواری کھڑی کر کے یا ایسے جانور پال کر جن کی بدبو اور آواز سے تکلیف ہو، وغیرہ وغیرہ۔
- تحفے تحائف دینا۔
- پڑوسی کی غیر حاضری میں خاص طور پر اس کے مال ودولت، گھر بار اور خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔
- گھریلو اور راز کی باتوں کی حفاظت کرنا۔
- بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔
- خیر خواہی کرنا۔
- احترام اور تکریم کرنا۔
- محبت کرنا اور بوقت ملاقات خندہ پیشانی سے سلام و مصافحہ کرنا۔
- تکلیفوں پر صبر کرنا اور کوتاہیوں کو درگزر کرنا۔
- دعوت قبول کرنا۔
- خیر وبھلائی کے کاموں میں شریک کرنا۔
- حسن ظن سے کام لینا۔
- پڑوسی کا کبھی ان کے رشتے داروں یا کسی سے اختلاف ہو جائے تو ان میں صلح کرانا۔
- غیر مسلم پڑوسی کو اسلام کی دعوت دینا، اپنے حسن اخلاق سے متاثر کرنا۔

بدسلوکی کی ممانعت: پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک یہ عظیم نیکی اور مبارک عمل ہے، جب کہ بدسلوکی یہ سنگین گناہ ہے اور موجب ہلاکت ہے، متعدد احادیث میں اس کی خطرناکی کو واضح کیا گیا ہے، بعض احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ایذاءرسانی کی ممانعت:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ» (صحیح بخاری: 6018)

"جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔"

2۔ کمال ایمان کی نفی

سیدنا ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ ؟ قِيلَ : وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَه»

"واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ عرض کیا گیا کون: یارسول اللہ؟ فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔" (صحیح بخاری: 6016)

دوسری حدیث میں ہے: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ» (الأدب المفرد: 112؛ مجمع الزوائد: 8/170؛ مسند أبو يعلى: 2699؛ مسند والبيهقي: 20160؛ باختلاف یسیر، صحیح الترغیب: 2562)

"وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔"

3۔ جنت سے محرومی:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ

"جس کی ایذا رسانی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں، وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" (صحیح مسلم: 46)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

إِنَّ فُلَانَةَ يُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا، وَصِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: «هِيَ فِي النَّارِ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّ فُلَانَةَ يُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، وَصَلَاتِهَا، وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ، وَلَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: «هِيَ فِي الْجَنَّة» (مسند أحمد: 9675؛ صحیح الترغیب: 2560)

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت کثرت سے نماز، روزہ اور صدقہ کرنے میں مشہور ہے لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے، پھر اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت نماز، روزہ اور صدقہ کی کمی میں مشہور ہے وہ صرف پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستاتی، فرمایا: وہ جنتی ہے۔"

4۔ سنگین گناہ: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ»

"قیامت کے دن سب سے پہلے پیش ہونے والے دو فریق پڑوسی ہوں گے۔" (مسند احمد: 17372)

دوسری حدیث میں ہے:

«كَمْ مِنْ جَارٍ مُتَعَلِّقٍ بِجَارِهِ يَومَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: يَا رَبِّ! هٰذا أَغْلَقَ بَابَه دُوْنِي، فَمَنَعَ مَعْروفَهُ» (الادب المفرد: 111؛ صحیح الأدب المفرد: 81)

"کتنے پڑوسی قیامت کے روز اپنے پڑوسیوں سے چمٹے

ہوئے ہوں گے، ان میں سے ہر ایک اپنے پڑوسی کے بارے میں کہے گا: اے میرے رب! اس نے میرے سامنے اپنا دروازہ بند کر کے اپنی نیکی کو روک لیا تھا۔"

پڑوسی کے ساتھ ایک بدترین شکل یہ ہے کہ پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا اور پڑوس کی عورت کے ساتھ زنا کرنا، کیونکہ ایک پڑوسی اپنے پڑوسی پر اعتماد اور بھروسا کرتا ہے، اس کی غیر حاضری میں خاص طور پر اس کے پڑوسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پڑوس کے گھر کی خواتین کی عزت و عصمت کا محافظ ہو۔

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

مَا تَقُولُونَ فِي الزِّنَى؟ قَالُوا: حَرَّمَهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، فَهُوَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: لَأَنْ يَزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ، قَالَ: فَقَالَ: مَا تَقُولُونَ فِي السَّرِقَةِ؟ قَالُوا: حَرَّمَهَا اللهُ وَرَسُولُهُ، فَهِيَ حَرَامٌ، قَالَ: لَأَنْ يَسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشَرَةِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَسْرِقَ مِنْ جَارِهِ

(مسند احمد: 23854؛ مسند البزار: 2115؛ مسند الطبرانی: 20/257-205، باختلاف یسیر؛ صحیح الترغیب: 2404)

"تم لوگ بدکاری کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا وہ قیامت تک حرام رہے گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی کے لیے دس عورتوں سے بدکاری کرنا اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنے کی نسبت زیادہ ہلکا ہے، پھر پوچھا: چوری کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حرام رہے گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انسان کا دس گھروں میں چوری کرنا اپنے پڑوسی کے یہاں چوری کرنے کی نسبت زیادہ ہلکا ہے۔"

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: سَأَلْتُ، أَوْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللهِ أَكْبَرُ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ؛ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ، قَالَ: وَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (صحیح بخاری: 4761) میں نے (رسول ﷺ سے) پوچھا، یا رسول اللہ سے پوچھا گیا: کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اس کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اس کے بعد یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے فرمان کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان) کی جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔"

5۔ باعث ہلاکت: حدیث میں ہے: «وَمَا مِنْ جَارٍ يَظْلِمُ جَارَهُ وَيَقْهَرُهُ حَتَّى يَحْمِلَهُ ذَلِكَ عَلَى أَنْ يَخْرُجَ مِنْ مَنْزِلِهِ إِلَّا هَلَكَ» (صحیح الأدب المفرد: 94) "جو کوئی شخص اپنے پڑوسی پر ظلم کرے اور اس کو اس حد تک ستائے کہ اس سے تنگ آ کر پڑوسی اپنا گھر چھوڑ کر چلا جائے تو پڑوسی کو ستانے والا ہلاک ہو جائے گا۔"

ظالم پڑوسی کی تکلیفوں پر صبر کرنا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، اپنے پڑوسی کی شکایت کر رہا تھا، آپ نے فرمایا:

«اذْهَبْ فَاصْبِرْ فَأَتَاهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقَالَ: اذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيقِ، فَطَرَحَ مَتَاعَهُ فِي الطَّرِيقِ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْأَلُونَهُ فَيُخْبِرُهُمْ خَبَرَهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْعَنُونَهُ: فَعَلَ اللهُ بِهِ وَفَعَلَ وَفَعَلَ، فَجَاءَ إِلَيْهِ جَارُهُ فَقَالَ لَهُ: ارْجِعْ، لَا تَرَى مِنِّي شَيْئًا تَكْرَهُهُ»

"جاؤ صبر کرو، پھر وہ آپ کے پاس دوسری یا تیسری دفعہ آیا، تو آپ نے فرمایا: جاؤ اپنا سامان نکال کر راستے میں ڈال دو، تو اس نے اپنا سامان نکال کر راستے میں ڈال دیا، لوگ اس سے وجہ پوچھنے لگے اور وہ پڑوسی کے متعلق لوگوں کو بتانے لگا، لوگ (سن کر) اس پر لعنت کرنے اور اسے بد دعا دینے لگے: اللہ اس کے ساتھ ایسا کرے، ایسا کرے، اس پر اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا: اب آپ (گھر میں) واپس آجائیں آئندہ مجھ سے کوئی ایسی بات نہ دیکھیں گے جو آپ کو ناپسند ہو۔" (سنن ابوداود: 5153)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لَيْسَ حُسْنُ الْجِوَارِ كَفُّ الْأَذَى عَنِ الْجَارِ، وَلَكِنْ حُسْنُ الْجِوَارِ الصَّبْرُ عَلَى الْأَذَى مِنَ الْجَارِ." (تنبیہ الغافلین: 1/153؛ بہجۃ المجالس: 2/292)

"پڑوسی کو تکلیف نہ دینا ہی پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک نہیں ہے بلکہ حسن سلوک میں یہ بات بھی شامل ہے کہ پڑوسی کی تکلیف پر صبر کرنا۔"

☆☆☆

بدشگونی مکروہ عمل

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«لَا طِيَرَةَ، وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ». قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: «الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ.»

(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب الفأل:5755- صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه من الشؤم:2223)

"بدشگونی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اس میں بہترین بات فال ہے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! فال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نیک بات جو تم میں سے کوئی سنتا ہے۔"

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ أَنَّهُ كَانَ لَا يَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ، وَكَانَ يُعْجِبُهُ الِاسْمُ الْحَسَنُ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الطيرة:3920- سلسلة الأحاديث الصحيحة:762)

"نبی ﷺ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ اچھے نام کو پسند فرمایا کرتے تھے۔"

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ برے نام کو ناپسند فرمایا کرتے تھے، بلکہ بعض صحابہ وصحابیات کے ایسے ہی ناموں کو بدل کر آپ ﷺ نے اچھے نام رکھے ہیں۔ لہٰذا گو کہ یہ بات بدشگونی نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے نام رکھنے میں احتیاط کرنی چاہیے، مبادا ایسا نام نہ رکھ لیا جائے جو معیوب ہو۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ وَالْمَرْأَةِ»

(صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة:5093-صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل وما يكون فيه من الشؤم:2225)

"اگر کسی چیز میں بدشگونی ہوتی تو گھوڑے، گھر اور عورت میں ہوتی۔"

یہ بات واضح رہے کہ اسلام میں بدشگونی کا تصور ہی نہیں ہے، اور اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر بدشگونی ہوتی بھی تو ان تین چیزوں میں ہوتی تھی، لہٰذا اس بات سے بدشگونی کا وجود مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلام میں اس کا تصور سرے سے نہیں ہے لیکن فرض کریں کہ اگر ہوتا تو تو صرف ان تین چیزوں کے بابت ہوتا تھا۔

ان تین چیزوں کو بطورِ خاص ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض گھوڑے بہت سرکش ہوتے ہیں اور گھوڑے یعنی سواری کا اچھا نہ ہونا انتہائی تکلیف دہ امر ہوتا ہے اور بہت پریشانی کا باعث بنتا ہے، اسی طرح کئی گھر یعنی مکانات بھی اتنے خستہ حال ہوتے ہیں کہ ہر وقت ان سے بڑے نقصان کا خدشہ رہتا ہے، اور اسی طرح عورت اگر بدخلق ہو تو بہت سے فسادات، لڑائی جھگڑوں اور گھر میں بے سکونی وبے اطمینانی کا موجب بنتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ: إِنَّمَا الطِّيَرَةُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّابَّةِ وَالدَّارِ، ثُمَّ قَرَأْتُ: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ﴾ [الحديد: 22] .

(السنن الكبرى للبيهقي: 140/8-مستدرك حاكم: 479/2- سلسلة الأحاديث الصحيحة:7993)

"عہدِ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ عورت، جانور (یعنی سواری) اور گھر میں برا شگون ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ﴾

"نہ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے اور نہ ہی خاص تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یقیناً یہ کام اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔"

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے اسی بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: كَمْ مِنْ دَارٍ سَكَنَهَا نَاسٌ فَهَلَكُوا ثُمَّ سَكَنَهَا نَاسٌ آخَرُونَ فَهَلَكُوا فَهَذَا تَفْسِيرُهُ فِيمَا نَرَى، وَاللهُ أَعْلَمُ. (السنن الكبرى للبيهقي:140/8)

"بہت سے گھر ایسے بھی ہیں کہ جن میں بسنے والے لوگ اس دنیا سے چلے گئے، پھر دوسرے لوگ اس میں آ بسے اور پھر انہیں بھی موت نے آ لیا۔ ہماری رائے میں تو اس کی تفسیر یہی ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔"

اور ایسے گھر کو تبدیل کرنے سے متعلق جو حدیث مروی ہے جس گھر کے عیال اور اموال کم پڑ جائیں تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

«دَعُوهَا ذَمِيمَةً»(سنن أبوداؤد:3924)

"ایسے برے گھر کو چھوڑ دو۔"

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس گھر کو چھوڑ دینے کا حکم ممکن ہے کہ اس وجہ سے ہو کہ اس گھر کے افراد کے دِلوں میں پیدا ہو جانے والے وسوسے کی جڑ ہی کاٹ دی جائے، کیونکہ جب وہ گھر تبدیل کرلیں گے تو ان کا وہم بھی سرے سے ختم ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بیماری کا متعدی ہونا اور نحوست لغو باتیں

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ» (صحيح بخاری، كتاب الطب، باب لا عدوى:5772-صحيح مسلم:2225)

"نہ تو کوئی بیماری متعدی ہوتی ہے اور نہ ہی بدشگونی ہوتی ہے۔" ایک شخص سے دوسرے شخص کو یا ایک جانور سے دوسرے جانور کو لگ جانے والی بیماری کو متعدی بیماری کہتے ہیں، انگریزی میں اسے Deseas Infectious کہتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

حِينَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا عَدْوَى وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَ.» فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَمَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ، فَيَجِيءُ الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيَدْخُلُ فِيهَا فَيُجْرِبُهَا قَالَ: «فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ؟.»

(صحيح بخاری، كتاب الطب:5770- صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوى، ولا طيرة، ولا هامة، ولا صفر...:2221)

"جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، صفر اور اُلّو کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ تو ایک بدوی نے کہا: اے اللہ کے رسول (اگر کوئی بیماری متعدی نہیں ہے) تو پھر اس اونٹوں کو کیا مسئلہ ہوتا ہے جو ریگستان میں ہرن کی طرح صاف چمکدار ہوتے ہیں اور ایک خارش زدہ اونٹ آ کر جب ان میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ انہیں بھی خارش لگا دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی تھی؟"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتقادی طور پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک اونٹ کو بیماری لگنے کا سبب دوسرا بیمار اونٹ ہے، تو نبی ﷺ نے ان کے اس وہم کا ازالہ اس سوال سے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی؟ یعنی جس نے پہلے اونٹ کو بیماری لگائی ہے وہی اس سبب کو پیدا کرنے والا ہے کہ پہلا اونٹ جب دیگر اونٹوں کے ساتھ ملے گا تو انہیں بھی خارش پڑ جائے گی، تو گویا دونوں کو اللہ ہی کے حکم سے بیماری لگی ہے اور جب ایک خارش زدہ اونٹ کا دیگر اونٹوں میں گُھل مل جانا انہیں بھی خارش زدہ کرنے کا سبب بن جاتا ہے تو یہ سبب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیئت، چاہت، اس کے فیصلے اور حکم سے ہی بنتا ہے، اسی لیے بطورِ احتیاط نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: اپنے صحت مند اونٹ کو بیمار اونٹوں میں شامل نہ کرو۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُورِدُ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ.» وَرُوِيَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ أَنَّهُ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَلِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: «لِأَنَّهُ أَذًى» (صحيح بخاری، كتاب الطب، باب لا عدوى:5771-صحيح مسلم:2221)

"کوئی شخص اپنے بیمار اونٹوں کو کسی کے تندرست اونٹوں میں شامل نہ کرے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ باعثِ کوفت ہے۔"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اس سے منع کرنا فقط اس لیے ہے تاکہ قلب وذہن میں یہ بداعتقادی کا خیال جنم نہ لے سکے کہ دوسرے اونٹوں کو بھی اس بیمار اونٹ کی وجہ سے بیماری لگی ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ جس ذات نے پہلے اونٹ کو بیماری لگائی تھی اس نے اسی اونٹ کے دیگر اونٹوں میں شامل ہو جانے کو ان اونٹوں کے بیمار ہو جانے کا سبب بنا دیا، تو گویا دونوں جگہ بیماری اللہ تعالیٰ ہی کے حکم اور فیصلے سے لگی ہے، اس ایک بیمار اونٹ کا اس میں قطعی کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

کسی علاقے میں وباء پھُوٹ پڑے تو۔۔۔

سعد بن مالک، خزیمہ بن ثابت اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ هٰذَا الطَاعُونَ رِجْزٌ وَبَقِيَّةُ عَذَابٍ عُذِّبَ بِهِ قَوْمٌ، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَارًا مِنْهُ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَدْخُلُوهَا»

(صحيح بخاری، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون:5728- صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها:2218)

"طاعون اس عذاب کا باقی ماندہ حصہ اور گندگی ہوتی ہے جس عذاب سے کسی قوم کو دوچار کیا جاتا ہے، سو جب یہ (وباء) کسی ایسے علاقے میں پھُوٹ پڑے جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے نکلو مت، لیکن اگر یہ ایسے علاقے میں پھوٹے جہاں تم موجود نہ ہو تو اس علاقے میں مت جاؤ۔"

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّهُ كَانَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حِينَ خَرَجَ

إِلَى الشَّامِ فَرَجَعَ بِالنَّاسِ مِنْ سَرْغٍ فَلَقِيَهُ أُمَرَاؤُهُ عَلَى الْأَجْنَادِ فَلَقِيَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ وَقَدْ وَقَعَ الْوَجَعُ بِالشَّامِ، فَقَالَ عُمَرُ: اجْمَعْ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ فَجَمَعْتُهُمْ لَهُ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاخْتَلَفُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ارْجِعْ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمْهُمْ عَلَى الْوَبَاءِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا هُوَ قَدَرُ اللهِ وَقَدْ خَرَجْتَ لِأَمْرٍ فَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ، فَأَمَرَهُمْ فَخَرَجُوا عَنْهُ. ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِيَ الْأَنْصَارَ، فَدَعَوْتُهُمْ وَاسْتَشَارَهُمْ، فَسَلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلَافِهِمْ، فَأَمَرَهُمْ فَخَرَجُوا عَنْهُ ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ، فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى أَنْ يَرْجِعَ بِالنَّاسِ، فَأَذَّنَ عُمَرُ فِي النَّاسِ: إِنِّي مُصْبِحٌ عَلَى ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ، فَإِنِّي مَاضٍ لِمَا أَرَى، فَانْظُرُوا مَا آمُرُكُمْ بِهِ، فَامْضُوا لَهُ فَأَصْبَحَ عَلَى ظَهْرٍ. قَالَ: فَرَكِبَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: إِنِّي أَرْجِعُ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُخَالِفَهُ: أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللهِ، فَغَضِبَ عُمَرُ وَقَالَ: لَوْ غَيْرُكَ قَالَ هٰذَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ، نَعَمْ أَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ إِلٰى قَدَرِ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا هَبَطَ وَادِيًا لَهُ عُدْوَتَانِ وَاحِدَةٌ جَدْبَةٌ وَالْأُخْرٰى خَصْبَةٌ أَلَيْسَ إِنْ رَعَى الْجَدْبَةَ رَعَاهَا بِقَدَرِ اللهِ، وَإِنْ رَعَى الْخَصْبَةَ رَعَاهَا بِقَدَرِ اللهِ. قَالَ: ثُمَّ خَلَا بِأَبِي عُبَيْدَةَ فَتَرَاجَعَا سَاعَةً، فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ، فَجَاءَ وَالْقَوْمُ مُخْتَلِفُونَ فَقَالَ: إِنَّ عِنْدِي فِي هٰذَا عِلْمًا، فَقَالَ عُمَرُ: فَمَا هُوَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ فِي أَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمُ الْفِرَارُ مِنْهُ.» فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ، فَرَجَعَ وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَرْجِعُوا.

(صحيح بخاری، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون:5729-صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها:2219)

''وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جب آپ شام کی طرف روانہ ہوئے، اور جب آپ لوگوں کو سرغ مقام سے لے کر واپس ہوئے تو آپ فوجی دستوں کے امراء سے ملے، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت آپ سے ملاقات کی (اور بتلایا کہ) شام میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے مہاجرین کو میرے پاس جمع کرو۔ میں نے انہیں آپ کے پاس اکٹھا کیا اور آپ نے ان سے مشاورت کی تو انہوں نے مختلف آراء دیں۔ بعض نے کہا کہ لوگوں کو واپس بھیج دیجیے اور انہیں وبا میں نہ دھکیلیں، جبکہ کچھ نے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی (لکھی ہوئی) تقدیر ہے، آپ جس کام کے لیے نکلے ہیں اسے چھوڑ کر واپس مت جائیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے کا حکم فرمایا، چنانچہ وہ آپ کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ انصار کو میرے پاس بلا کر لاؤ، میں انہیں بلا لایا تو آپ نے ان سے بھی مشاورت کی، وہ بھی مہاجرین کی راہ پر ہی چلے اور انہی کی طرح اختلاف کیا۔ آپ نے انہیں بھی چلے جانے کا حکم فرمایا، وہ بھی چلے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کر کے آنے والے جو بزرگ یہاں موجود ہیں انہیں بلاؤ، میں انہیں بلا لایا، آپ نے ان سے بھی اس بارے میں مشورہ لیا تو وہ سب ایک ہی رائے پر متفق تھے کہ واپس چلے جانا چاہیے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں یہ اعلان کرا دیا کہ میں سوار ہو (کر واپس جا) نے والا ہوں سو تم بھی واپسی کا بندوبست کرو، کیونکہ میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ نافذ کروں گا، سو تم اس پر نظر رکھو جس کا میں تمہیں حکم دینے والا ہوں، سو انہوں نے اسی پر عمل کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، پھر لوگوں سے فرمایا: میں واپس جا رہا ہوں۔ تو سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، جو آپ کی مخالفت کرنا ناپسند کیا کرتے تھے، بولے: کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار ہو رہے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (یہ سن کر) غصے میں آ گئے اور فرمایا: اے ابوعبیدہ! کاش یہ بات تمہارے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی، ہاں! میں اللہ کی ایک تقدیر سے فرار ہو کر دوسری تقدیر کی طرف جا رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر ایک آدمی کسی ایسی وادی میں جائے جس کے دو کنارے ہوں، ایک خشک اور دوسرا سرسبز ہو، کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے جانوروں کو خشک کنارے پر چرائے گا تو وہ بھی اللہ کی (لکھی ہوئی) تقدیر سے ہو گا اور اگر سرسبز کنارے پر چرائے گا تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہو گا؟ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ کو لے کر تنہائی میں گئے اور کچھ ہی دیر میں دونوں واپس آ گئے، اور (اتنے میں) سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے جو کسی ضروری کام کی وجہ سے وہاں حاضر نہیں تھے، وہ آئے اور اختلاف کر رہے تھے تو انہوں نے کہا: یقیناً میرے پاس ایک علم ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب تم کسی علاقے میں وبا پھوٹنے کا سنو تو وہاں مت جاؤ، اور اگر وبا وہاں پھوٹ پڑے، جہاں تم موجود ہو تو پھر تم اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے مت نکلو۔ سو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سن) کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ واپس چلے جائیں۔''

پیش گفتار

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جو کام قومی و ملکی سطح پر تو ہوتے ہیں لیکن جن کے دور رس اصلاحی اثرات واَن مٹ تربیتی ثمرات بین الاقوامی سطح پر مرتب ہوتے ہیں اِن میں گاہ بہ گاہ علمی کانفرسوں کا انعقاد بھی ہے۔

بفضلہ تعالی-چونتیسویں کانفرس میں شرکت وخطابت کی سعادت ملی ، اور- بحمد اللہ- اس دفعہ پینتیسویں کانفرس میں بھی بحیثیت مقالہ نگار وبطور خطیب مرکزی جمعیت نے اس خاک سار قلم کار کی ذرہ نوازی کی ، اس شرف بخشی پر صمیم قلب سے رب کریم کا احسان عظیم بجالانے کے بعد مرکزی قائدین کا بھی بے حد شکر گزار ہوں، اور دعا گو ہوں کہ رب کریم اس عظیم کام کو حقیقی ومعنوی کام یابی سے سرفراز کرے ، جملہ خدمات جلیلہ ومساعی جمیلہ کو خالصۃً لوجہ اللہ بنائے، اور وحشیت وبربریت کے دور میں اسے انسان کے لیے انسانیت آمیز بنائے۔

دراصل کانفرس کے اعلان سے قبل ہی بڑے دنوں سے اس موضوع کی خدمت کا ارادہ تھا، کیوں کہ مختلف مناسبتوں پر اس موضوع کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی تھی پر کوئی موزوں موقع نہیں مل سکا ، اب -الحمد للہ- مرکزی جمعیت کی پینتیسویں کانفرس کے حوالے سے مرکزی قائدین کی ایما پر زیر بحث موضوع کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اللہ کرے کہ کانفرس میں شریک ہر عالم نحریر کی تقریر وتحریر بلکہ ساری علمی سرگرمیاں میزبان ومہمان دونوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے۔

خیر اندیش

دکتور سید حسین مدنی حفظہ اللہ

سکریٹری کل ہند ادارۂ علمی تحقیقات

06/جمادی الاولی، 1446ہجری م07/نومبر، 2024ء

انسانی اقدار حق وانصاف کے علم بردار

انسان کی نسبت اُنسیت سے ہے جس کی فطرت وطبیعت ہی میں محبت ودیعت ہے ، اس کے برعکس انسانیت کی حقارت غرور وتکبر کی علامت ہے ،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ " (صحیح مسلم، کتاب الإیمان ،باب تحریم الکبر: 147)

"حقیقی تکبر گھمنڈ کی وجہ سے انکار حق اور انسانوں کو حقیر جاننا ہے۔"

اسی لیے احترام انسانیت الکرامۃ البشریۃ Respect for Humanity یعنی انسانیت کے اکرام واحترام، تعظیم وتفخیم ، توقیر وتقدیر اور اجلال وتبجیل کے لیے آج کل دنیا بھر میں طرح طرح کی کوششیں اور نت نئی کاوشیں ہو رہی ہیں ، بر سبیل مثال 2008ء سے شعور بیداری کے طور پر اقوام متحدہ یعنی United Nations General Assembly کی جانب سے 19/ اگست کو WHD یعنی World Humanitarian Day احترام انسانیت کا عالمی دن منایا جانے لگا ، مختلف یونی ور سٹیوں میں Department of Humanities قسم الدراسات الإنسانیۃ شعبۂ انسانی علوم قائم کیے گئے ، اور قومی وبین الاقوامی سطح پر احترام انسانیت کے حوالے سے بڑی بڑی تنظیمیں بھی قائم کی گئیں۔

انسانیت؛ضرورت ، خصوصیت ورفعت انساں

اسلاف میں امام ابن العربی (المحصول في أصول الفقه لابن العربي:ص28)

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (درء تعارض العقل والنقل: 136/7) جیسے اصولی علمانے اصول انسانیت بتائے کہ انسان کے لیے احترام انسانیت اور مراعات مروت وبشریت ناگزیر ہے، اور اسی لیے رب کریم ، رب ذو الجلال والا کرام بلکہ رب اکرم نے عمومی طور پر بلا کسی تفریق محض انسانی اقدار کی بنا پر ساری انسانیت کی بے انتہا تکریم فرمائی ، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ (سورۃ الاسراء:70) واضح رہے کہ تکریم میں اکرام کی بہ نسبت زیادہ معنویت پائی جاتی ہے ؛ مجاز القرآن لمعمر بن المثنی: 386/1؛جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں کو ہم معنی بتایا)"اور یقینا ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔"

قرآنی محترم انسان میں عمومی طور پر محض انسانی اقدار کی بنا پر ایمان سے محروم شخص بھی داخل ہے۔ (أحکام القرآن للجصاص، ومفاتیح الغیب للرازی، والمغنی لابن قدامہ:450/8؛ وفتح القدیر للشوکانی ، وبقول دیگر متعدد فقہا ومفسرین)

اور بقول امام ابن حزم بجز فرشتوں کے انسان متفقہ

طور پر ساری مخلوق سے افضل ہے۔

(المحلی بالآثار: 1/33)

اور جب انسان میں کماحقہ مطلوبہ انسانیت پائی جائے تو یہ مروت وانسانیت اسے فرشتہ صفت ہی نہیں بلکہ ایک معزز ترین فرشتہ قرار دیتی ہے، جیساکہ خواتین نے یوسف علیہ السلام کے تئیں کہا:

﴿ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾

(سورۂ یوسف: 31)

"یہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ یہ تو محض برگزیدہ فرشتہ ہے۔"

شائد اسی تناظر میں الطاف حسین حالی نے کہا:

فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بنا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

جب اللہ نے اس قدر انسانیت کی تکریم فرمائی اس کے باوجود اگر کوئی انسانیت کا قدردان وشکر گزار نہیں بن سکا تو وہ اللہ کا قدردان وشکر گزار بھی صحیح طور پر نہیں ہوسکتا ہے، جیساکہ نبوی فرمان ہے:

«لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ»

(سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف: 4811)

"جس نے انسانوں کی قدر نہیں کی تو اس نے اللہ کی قدر نہیں کی۔"

درج بالا حدیث کی روشنی میں احترام انسانیت درحقیقت احترام خالقیت ہے۔ واللہ اعلم۔

احترام انسانیت اور ربانی اہتمام

اللہ پ نے قرآن مجید میں تقریباً ستر (70) مقامات پر انسانیت کو اہمیت دی اور انسانیت سے خطاب کیا ،اور تکریم انسانیت کی ایک خصوصی شکل اختیار فرمائی جس کا تذکرہ درج ذیل حدیث میں ہے:

«يقولون: يا آدم أنت أبو البشر، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وأمر الملائكة فسجدوا لك، وأسكنك الجنة

(صحيح البخاري، كتاب الأنبياء ، باب قول الله إنا أرسلنا نوحا: 3162 ، بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

"لوگ کہیں گے کہ اے آدم آپ ابو البشر ہیں آپ کو اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے وجود بخشا، اپنی مخلوق روح آپ میں پھونکی ، آپ کی خاطر فرشتوں کو حکم دیا تو فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا ، اور اللہ نے آپ کو جنت کے رہائشی ہونے کا اعزاز بھی بخشا۔"

علاوہ ازایں انسانیت کی صحیح تکریم کے لیے محمد ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے نبی بنا کر مبعوث کیا، جیساکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا .... كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إلى الناس عامة»

(صحیح بخاری، کتاب التیمم : 328)

"مجھے پانچ امتیازات حاصل ہیں۔۔۔ سابقہ نبی صرف اپنی قوم کی جانب بطور خاص بھیجا جاتا تھا، پر مجھے عمومی طور پر سارے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

☆☆☆

وقت قیمتی متاع

وقت ایک ایسی قیمتی چیز ہے کہ آپ دنیا کی ہر چیز روپے پیسے دے کر خرید سکتے ہیں مگر وقت نہیں اسی لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ

"اَلْوَقْتُ اَثْمَنُ مِنَ الذَّهَبِ"

وقت سونے وچاندی اور تمام ہیرے وجواہرات سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اس کی ایک ایک گھڑی، ہر سکنڈ اور ہر منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا کی دولت بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتی ہے، یہ وقت اتنا قیمتی ہے مگر افسوس کہ ہم سب اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو ضائع وبرباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں، دن پر دن ، مہینہ پر مہینہ اور سال پر سال گذرتا جا رہا ہے مگر ہم غفلت ولاپرواہی کے شکار ہیں۔

ابن انشانے کیا ہی خوب کہا ہے:

اک سال گیا اک سال نیا ہے آنے کو
پر وقت کا اب بھی ہوش نہیں دیوانے کو

☆☆☆

آپ یہ بات یاد رکھ لیں کہ وقت یا تو آپ کا بہترین دوست ہے یا پھر آپ کا بدترین دشمن ہے اب آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ اس وقت کو اپنا دوست بناتے ہیں یا پھر اپنا دشمن۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس وقت کے بارے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ سال ایک درخت کے مانند ہے اور مہینے اس درخت کی شاخیں ہیں، دن اس درخت کی ڈالیاں اور گھنٹے اس کے پتے اور لمحات اس کے پھل ہیں ، اب اس دنیا میں جس انسان کے لمحات اللہ کی اطاعت وبندگی میں گذریں گے تو اس کے درخت کا پھل میٹھا ہوگا اور جس انسان کے زندگی کے لمحات اللہ کی نافرمانی میں گذریں گے تو اس کے درخت کا پھل کڑوا اور کسیلا ہوگا اور اس پھل کے کاٹنے اور توڑنے کا دن قیامت کا دن ہوگا اور پھر اس دن سب کو پتہ چل جائے گا کس کا پھل میٹھا ہے اور کس کا کڑوا کسیلا ہے۔ (الفوائد لابن القیم: 1/164)

اسی لئے آج وقت کی قدر کرلو کسی عقلمند نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ

وقت کی قدر کرو اس لئے کہ گذرا ہوا وقت لحد میں پڑے ہوئے ایک مردے کی طرح ہے جسے رونے دھونے سے کبھی بھی زندہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (تحفۂ وقت: 55)

☆☆☆

صبح ہوتی ہے ،شام ہوتی ہے
عمریوں ہی تمام ہوتی ہے

☆☆☆

سجدہ سہو سے متعلق

حدیث نمبر:101

عَنْ محمد بن سيرين عَنْ أبي هريرة رضي الله عَنْه قال: «صَلّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِحْدَى صَلاتَي الْعَشِيِّ ــ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ: وَسَمّاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا ــ قَالَ: فَصَلّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمّ سَلّمَ، فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَعْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَاتّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنّهُ غَضْبَانُ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، وَشَبّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، ووضع خده الأيمن على ظهر كفه اليسرى، وَخَرَجَتِ السّرَعَانُ مِن أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالُوا: قُصِرَتِ الصّلاةُ؟ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ ــ فَهَابَا أَنْ يُكَلّمَاهُ ــ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُولٌ، يُقَالُ لَهُ: ذُو الْيَدَيْنِ ــ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصّلاةُ؟ قَالَ: «لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ». فَقَالَ: «أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَتَقَدّمَ فَصَلّى مَا تَرَكَ، ثُمّ سَلّمَ، ثُمّ كَبّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ، أَوْ أَطْوَلَ، ثُمّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبّرَ، ثُمّ كَبّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ، أَوْ أَطْوَلَ، ثُمّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبّرَ، فَرُبّمَا سَأَلُوهُ، ثُمّ سَلّمَ؟ قَالَ: فَنُبِّئْتُ: أَنّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ: ثُمّ سَلّمَ».

(رواه البخاري، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، برقم 482، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، برقم 573)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر میں سے ایک نماز پڑھائی، سیدنا محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا، فرمایا: ہمیں آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا اور آپ ﷺ مسجد میں نصب لکڑی کے ساتھ جا کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ ٹیک لگا لی گویا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں، اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکلے اور کہنے لگے کہ کیا نماز کم کر دی گئی ہے؟ قوم میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ ڈرے کہ آپ ﷺ سے بات کریں، قوم میں ایک شخص ایسا تھا جس کے ہاتھ لمبے تھے اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا، اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم کی گئی ہے، اس نے عرض کی آپ ﷺ بھول گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذوالیدین کہتا ہے، انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ آگے بڑھے، نماز پڑھائی جو چھوڑی تھی پھر سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا پہلے سجدے کی مانند یا اس سے قدرے لمبا پھر اپنا سر اٹھایا پھر اللہ اکبر کہا اور پہلے سجدے کی مانند سجدہ کیا اس سے قدرے لمبا پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنا سر اٹھایا۔ سیدنا ابن سیرین نے لوگوں سے سوال کیا پھر سلام پھیرا فرمایا مجھے بتایا گیا کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا پھر سلام پھیرا۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: الْعَشِيِّ: زوال سے لے کر غروب آفتاب کے وقت کو عشی کہتے ہیں۔

2: نَسِيتُ: میں بھول گیا۔

3: خَشَبَةٌ مَعْرُوضَةٌ: نصب شدہ لکڑی۔

4: شَبّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ: آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں دوسری انگلیوں میں داخل کیں۔

5: سَرْعَانُ: جلد باز۔

6: أَمْ قُصِرَتِ الصّلَاةُ: کیا نماز کم کر دی گئی ہے۔

7: نُبِّئْتُ: مجھے خبر دی گئی۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نبی کریم ﷺ بشر تھے اور باقی انسانوں کی طرح آپ کے ساتھ بھی انسانی لوازمات تھے مثلاً خوش ہونا، پریشان ہونا، بیمار ہونا، صحت یاب ہونا، سونا، جاگنا، کھانا پینا، بول و براز وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح بھول چوک کا ہو جانا۔ مگر اس بھول کا تعلق وحی الٰہی سے نہیں ہے۔ وحی الٰہی کے لینے اور پہنچانے میں نبی کریم ﷺ سے بھول ممکن نہیں ہے۔

2۔ دو یا دو سے زیادہ لفظ / الفاظ باتوں وغیرہ میں سے اگر کوئی کسی ایک کو یقینی طور پر یاد نہ رکھ سکے تو بیان کرتے وقت بتادے کہ مجھے بالضبط یاد نہیں ہے جیسا کہ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے کیا اور یہ ہمارے سلف صالحین کے کمال تقوی اور امانتداری میں سے

ہے۔

3۔ مسجد وغیرہ میں ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا جائز ہے۔ جن روایات میں اس عمل کی ممانعت ہے وہ ثابت نہیں ہیں۔ اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

4۔ یہ حدیث اس اصول کی بھی دلیل ہے کہ ثقہ اگر ثقات کی مخالفت کرے تو ثقہ راوی کی روایت شاذ یعنی ضعیف ہوتی ہے اور مخالف نہ ہو تو وہ صحیح ہے۔ یعنی ثقہ راوی ثقات کی موجودگی میں بات کرے تو اس کی تصدیق ثقات سے ضروری ہے جیسا کہ ذوالیدین کی تصدیق رسول اللہ ﷺ نے دوسرے کبار صحابہ کرام سے کی۔

5۔ یہ حدیث اس اصول کی بھی دلیل ہے کہ شریعت کا حکم اپنے اصل پر رہے گا جب تک کہ اس کا نسخ ثابت نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا گیا تو اس کے متعلق پوچھا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ نماز تھوڑی نہیں ہوئی ہے۔

6۔ اس حدیث سے شرعی مسائل میں اجتہاد کا اصول ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے نماز کی رکعات کا منسوخ ہونا سمجھا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد میں بعض دفعہ غلطی بھی ہوتی ہے۔

7۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں بھول کر گفتگو کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال وہ ایسی صورت میں نئے سرے سے نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کا عمل اس صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

8۔ سجدہ سہو دو سجدے ہیں اور دونوں طرف سلام پھیرنا ہے سجدہ سہو میں ایک طرف سلام پھیرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

9۔ سجدہ سہو شیطان کے لیے اضطراب، پریشانی اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ نماز میں بھولنے سے اس کا ثواب کم نہیں ہوتا ہے۔

10۔ سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے اور سلام پھیرنے کے بعد دونوں طرح درست ہے۔

11۔ امام کی بھول کا اثر مقتدیوں پر ہو گا۔ یعنی امام اگر بھول جائے تو مقتدیوں پر بھی سجدہ سہو لازم ہے اگرچہ کوئی مقتدی نماز کے آخر میں شامل ہوا ہو۔

12۔ نماز کے بعد مسجد میں ہی رہنا ذکر اذکار کرنا افضل ہے البتہ ضرورت کے تحت سلام کے بعد مسجد سے چلے جانا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ بعض جلد باز جلدی چلے گئے۔

3۔ بڑوں کا ادب کرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی بھولنے کی غلطی پر ادب واحترام کی وجہ سے خاموش رہے اور انہوں نے اجتہادا یہ سمجھا کہ نماز کم ہو گئی ہے۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا کمال احترام کرتے تھے۔

14۔ سجدہ سہو کے لیے بھی تکبیر ہے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ذکر ہے۔

15۔ شناختی لقب سے کسی کو پکارنا جائز ہے بشرطیکہ توہین اور حقارت مقصود نہ ہو۔ جیسا کہ ذوالیدین لمبے ہاتھوں والا لقب۔

16۔ خبر واحد حجت ہے۔

حدیث نمبر:102

عَنْ عبد الله بن بحينة ــ وكان من أصحاب النبي ﷺ ــ «أَنّ النّبِيّ ﷺ صَلّى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ، وَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النّاسُ مَعَهُ، حَتّى إذَا قَضَى الصّلاةَ، وَانْتَظَرَ النّاسُ تَسْلِيمَهُ، كَبّرَ ــ وَهُوَ جَالِسٌ ــ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمّ سَلّمَ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب من لم ير التشهد الأول واجباً، برقم 829، واللفظ له، وكتاب السهو، باب ما جاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة، برقم 1224، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، برقم 570)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ظہر کی نماز پڑھائی پہلی دو رکعتوں کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور بیٹھے نہیں لوگ بھی آپکے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ جب آپ نے نماز پوری ادا کر لی لوگوں نے آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا آپ نے بیٹھے ہوئے، اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے پھر سلام پھیر دیا۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ :جب نماز پوری ادا کر لی۔

2: إِنْتَظَرَ النّاسُ:لوگوں نے انتظار کیا۔

3: كَبّرَ :اللہ اکبر کہا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ جو شخص نماز کی رکعات یا پہلا تشہد کرنے میں بھول جائے اسکے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔ البتہ کم رکعات کی صورت میں رکعات کو پورا کرنا یا کسی رکن کے رہ جانے سے پوری رکعت کو دوبارہ پڑھنے کے بعد سجدہ سہو کیا جائے گا۔

2: پہلی تشہد نماز کا رکن نہیں ہے اگر رکن ہوتا تو صرف سجدہ سہو اس کا بدل نہ ہوتا۔

3۔ گر نماز کے دوران بھول ایک سے زائد مرتبہ ہو اسکے عوض بھی صرف دو سجدہ سہو ہی کافی ہوں گے۔

4۔اس سے امام کی متابعت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے باوجود اسکے کہ مقتدیوں کے علم میں ہوتا ہے کہ دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا ہے لیکن چونکہ امام بھول کر کھڑا ہو چکا ہے، لہٰذا مقتدی بھی امام کی اتباع کرتے ہوئے کھڑا ہوں گے۔

5۔نماز کے مسائل کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہیے کیونکہ نماز ہر مسلمان کا عمل ہے۔

6۔سہو کے مسائل کو بھی جاننا ضروری ہے اور کسی مسئلہ کا علم نہ ہونے کی صورت میں اہل علم سے پوچھنا ضروری ہے۔

7۔قرات میں بھول پر سجدہ سہو نہیں ہے۔

☆☆☆

مولانا فضل الرحمٰن حقانی کی والدہ محترمہ کی وفات

مولانا بہادر بیگ رحمہ اللہ کی بیٹی، مولانا جان محمد رحمہ اللہ کی زوجہ محترمہ اور میری (فضل الرحمن) کی امی جان 2024/11/19 کو اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفرلها وارحمها وادخلها جنات الفردوس الأعلىٰ وأعذها من عذاب القبر و عذاب النار...

الحمدللہ میری امی جان رحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ نے اپنے پیچھے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں اور بہت ساری شاگردہ چھوڑی ہیں اللہ سب کو امی جان رحمہا اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ امی جان نے اپنی اولاد سمیت بہت ساری بچیوں اور عورتوں کو قرآن مجید ناظرہ اور ترجمۃ القرآن مفت پڑھایا ہے۔الحمدللہ۔

تقریباًاسی 80 سال کی عمر پائی ہے۔ آپ صوم وصلوٰۃ کی پابند، ذکرو اذکار کرنے والی خاتون تھیں اللہ کے عذابوں سے بہت ڈرتی تھیں اپنی دعاؤں میں یہ دعا ضرور کرتی تھیں کہ اے اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا اور ایمان والی موت دینا اور قبر کے عذاب سے بچانا۔

آخری دن تقریباً تین بجے میں نے امی جان سے ویڈیو کال پر بات کی تو امی جان کہنے لگیں کہ میں زیادہ بات نہیں کرسکتی بس صرف کیمرے میرے سامنے رکھ دو اور باتیں اپنی بہنوں سے کرو میں تقریباً ایک گھنٹہ باتیں کرتا رہا اور ہر روز کم از کم دو تین بار امی جان سے ویڈیو کال پر بات ہوتی تھی الحمدللہ۔

امی جان کی وفات سے ایک دن پہلے سانس کی تکلیف ہوئی ٹیسٹ کرانے پر معلوم ہوا کہ امی جان کے پھیپڑوں میں پانی ہے اسی شام سات بجے ڈاکٹر سے دوائی وغیرہ لینے کا وقت مقرر تھا مگر اس سے پہلے ہی اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں ، اس طرح اللہ نے موت کا سبب پیٹ کی بیماری بنایا جو ان شاءاللہ شہادت کے مقام ومرتبہ کا سبب بنے گا۔

وفات سے چند لمحے پہلے اپنی بیٹیوں کو جو الحمدللہ سبھی پاس موجود تھیں کہا کہ مجھے تیمم کرواؤ میں نے نماز پڑھنی ہے مگر تیمم کے بعد نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ اور اسی روز صبح تین بار کلمہ طیبہ پڑھا اور پھر اس کے بعد کوئی زیادہ دنیاوی گفتگو نہیں کی البتہ اپنی بیٹیوں اور داماد جو مولانا بہادر بیگ رحمہ اللہ کے بھائی محمد سرور بیگ رحمہ اللہ کے بیٹے بھی ہیں ان کی دعاؤں پر آمین کہتے رہے۔

امی جان کی زندگی اور موت دونوں شاندار اور قابل رشک تھیں۔ امی جان کا تین بار جنازہ پڑھا گیا پہلا جنازہ مولانا محمد علی بیگ جو امی جان کے بھتیجے اور جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے استاذ ہیں انہوں نے پڑھایا اور دوسرا فضیلۃ الشیخ سابق مدرس مسجد نبوی جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے سنئیر استاذ ڈاکٹر عبدالباسط فہیم حفظہ اللہ اور تیسرا میں نے خود جنازہ پڑھایا۔الحمدللہ

میری مادر علمی جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے رئیس الجامعہ حافظ محمد شفیق حفظہ اللہ نے بڑی شفقت اور محبت فرمائی کہ جامعہ سے طلباء اور اساتذہ کو جنازے میں شرکت کی اجازت دی میں محترم جناب رئیس الجامعہ حافظ محمد شفیق حفظہ اللہ اور تمام شامل ہونے والے طلباء اور اساتذہ کرام کاتہ دل سے شکر گذار ہوں۔

اس طرح میری امی جان کے جنازے میں تقریباً سو سے زائد علماء کرام نے شرکت فرمائی اور خاندان اور علاقے کے لوگوں کی کثیر تعداد جنازے میں شریک ہوئی اللہ سب کو جزائے خیر دے اور ان کے اخلاص اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے۔ میں جنازے میں شریک ہونے والے، دعائے مغفرت اور تعزیت کرنے والے تمام افراد کا خصوصاً اپنے مادر علمی کے اہل علم بھائیوں کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ جزاھم اللہ خیر اواحسن الجزاء۔

میرے والد گرامی قابل صد احترام مولانا جان محمد رحمہ اللہ 2011 میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپ بھی عالم دین، نیک وصالح تھے اللہ تعالیٰ والدین کی نیکیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں، کوتاہیوں کو معاف فرمائے جنات الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے اور قبر اور جہنم کے عذاب سے بچائے۔ آپ نے اپنے پیچھے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں سبھی صوم وصلوٰۃ کے پابند دیندار ہیں الحمدللہ۔ اللہ عزوجل تمام اولاد اور شاگردوں کو صدقہ جاریہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے امی جان اور ابا جان دونوں کی قبروں کو ایک دوسرے کے بلکل قریب بنانے کی جگہ نصیب فرمائی اللہ عزوجل دونوں پر اپنا خصوصی رحم وکرم فرمائے جنت میں دونوں کو اکھٹا فرمائے۔

اللھم آمین یارب العالمین

☆☆☆

بے شک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے معافی طلب کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

حمد وثناء کے بعد: پس اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام کے مضبوط کڑے کو تھام لو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وتَزَوّدُوا فَإِنّ خَيْرَ الزّادِ التّقْوَى﴾

"اور زادِ راہ لے لو، بے شک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔" (سورۃ البقرۃ:197)

اللہ کے بندو: اسلامی شریعت کی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ یہ آسانی پر مبنی ہے اور سختی و تنگی کو ختم کرتی ہے۔ اس کی ایک مثال موزوں (یا جرابوں) پر مسح کی رخصت ہے۔

جرابوں پر مسح کے لیے تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط: انہیں وضو کے بعد پہنا گیا ہو۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" (كُنْتُ معَ النبيّ ﷺ في سَفَرٍ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفّيْهِ)

میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، میں نے آپ ﷺ کے موزے اتارنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُمَا؛ فَإِنّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ»؛ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا

"انہیں رہنے دو، میں نے انہیں پاکی کی حالت میں پہنا ہے، پھر آپ ﷺ نے ان پر مسح کیا۔" (جامع ترمذی:3535)

دوسری شرط: مسح کا تعلق صرف چھوٹے حدث (وضو توڑنے والے معمولی اسباب) سے ہو۔ بڑے حدث (جنابت، حیض اور نفاس وغیرہ) کی حالت میں مسح درست نہیں۔ (صحیح مسلم:276)

تیسری شرط: مسح مقررہ مدت کے اندر کیا جائے۔ یہ مدت مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات (24 گھنٹے) اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں (72 گھنٹے) ہے۔ (صحیح مسلم:276)

یہ مدت حدث کے بعد پہلی مرتبہ مسح کرنے سے شروع ہوتی ہے، نہ کہ جرابیں پہننے کے وقت سے۔ (المجموع، النووی:1/512؛ الشرح الممتع، ابن عثیمین: 1/186)

مسافر اور مقیم کی حالت میں مسح کی مدت

- اگر مسافر نے مسح شروع کیا اور پھر مقیم ہو گیا تو وہ مقیم کے مسح کی مدت پوری کرے گا۔
- اگر مقیم نے مسح شروع کیا اور پھر سفر پر روانہ ہوا تو وہ مسافر کی مدت پوری کرے گا۔
- اگر مقیم بے وضو تھا اور سفر شروع کرنے سے پہلے مسح نہ کیا تو وہ مسافر کی مدت کے مطابق مسح کرے گا۔ کیونکہ اس نے مسح کا آغاز حضر (مقیم ہونے کی حالت) میں نہیں کیا، بلکہ سفر میں کیا ہے۔ (الشرح الممتع، ابن عثیمین: 1/253)

اور جب مدت مکمل ہو جائے اور وہ طہارت کی حالت میں ہو: تو اصل: یہی ہے کہ طہارت باقی رہے گی۔

جرابوں پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے:

1. وضو کرنے والا اپنے ہاتھ پانی سے تر کرے۔
2. اپنے ہاتھوں کو دونوں پیروں کے اوپری حصے پر پھیرے۔
3. مسح انگلیوں سے شروع کرے اور پنڈلیوں کے آغاز تک لے جائے۔
4. مسح ایک ہی مرتبہ کرے۔ (نور علی الدرب، ابن عثیمین)
5. جراب کے نچلے حصے اور ایڑیوں پر مسح نہ کرے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَوْ كانَ الدِّيْنُ بالرّأْيِ؛ لكَانَ أَسْفَلَ الخُفِّ: أَوْلَى بالمَسْحِ مِنْ أَعْلَاه "

"اگر دین عقل پر منحصر ہوتا تو موزے کے نچلے حصے پر مسح کرنا زیادہ مناسب ہوتا۔"

"وقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ على ظَاهِرِ خُفّيْهِ."

"لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزے کے اوپر والے حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے۔" (سنن ابو داؤد: 162)

شفاف یا پھٹی ہوئی جرابوں پر مسح کا حکم

- شفاف یا معمولی پھٹی ہوئی جرابوں پر مسح جائز ہے، بشرطیکہ ان کو جرابیں کہا جا سکے اور انہیں پہن کر چلنا بھی ممکن ہو۔ (الشرح الممتع:1/213)
- اگر جرابیں ٹخنوں کو نہ ڈھانپیں تو بہتر یہی ہے کہ ان پر مسح نہ کیا جائے۔ (اللقاء الشہری، ابن عثیمین

68:)

جراب پر مسح کے مختلف احوال ہیں:

اگر کسی نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا، پھر اس کے اوپر دوسری جراب پہن لی، اس حالت میں کہ وہ باوضوء تھا، تو دوبارہ پہنی گئیں جرابوں پر مسح جائز ہے، لیکن مدت پہلی جراب پر مسح کرنے کے وقت سے ہی شروع ہوگی۔ (زاد المعاد، ابن القیم: 1/192)

علامہ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:

" فَلَوْ تَوَضَّأَ ومَسَحَ على الجَوَارِبِ، ثُمَّ لَبِسَ عَلَيْها جَوَارِبَ أُخْرَى، أو كَنَادِرَ لا تَسْتُرُ الكَعْب، ومَسَحَ الأَعْلَى؛ فَلَا بَأْس."

”اگر کسی نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا، پھر ان کے اوپر دوسری جرابیں یا جوتے پہن لیے جو ٹخنوں کو نہیں ڈھانپتے، اور پھر اوپر والی چیز پر مسح کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔“ (فتاوی ابن عثیمین: 11/176)

البتہ اگر کسی نے اوپر والی جراب اس حالت میں پہنی ہو کہ وہ بے وضو ہو (یعنی حدث کی حالت میں ہو)، تو وہ اس پر مسح نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے اسے بغیر طہارت کے پہنا ہے۔ (الشرح الممتع: 1/257-258)

اور اگر کسی نے اوپر والی جراب طہارت کی حالت میں پہنی ہو، پھر اس پر مسح کرنے کے بعد اسے اتار دیا، تو اس کے لیے نیچے والی جراب پر مسح کرنا جائز ہے۔ (الشرح الممتع: 1/257-258)

اور جو شخص جراب اتار دے جبکہ وہ طہارت کی حالت میں ہو، تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر وہ دوبارہ جراب پہن لے تو اس پر مسح نہیں کرے گا، جب تک کہ وہ اسے اتار کر دوبارہ وضو نہ کرے اور پھر طہارت کی حالت میں جراب نہ پہنے۔

میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور اللہ سے اپنے لیے اور آپ سب کے لیے معافی مانگتا ہوں، کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کے احسانات پر، اور شکر ہے اس کی توفیق اور عنایت پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

حمد وثناء کے بعد: جرابوں پر مسح کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص جرابیں پہنے ہوئے ہو، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ ان پر مسح ہی کرے۔

اور جس کے پاؤں بغیر جرابوں کے ہوں، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ انہیں دھو لے، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنی حالت کے خلاف عمل کرنے کی تکلیف نہیں اٹھائی، یعنی جو حالت آپ ﷺ کے پاؤں کی تھی، اسی کے مطابق عمل فرمایا۔ (زاد المعاد، ابن القیم: 1/192)

اور جس شخص کے وضو کے کسی عضو میں زخم ہو، تو وہ اس کو پانی سے دھوئے گا۔ اگر اس پر دشواری ہو تو اس پر پانی کا مسح کرے گا، اور اگر اس پر بھی دشواری ہو تو اس کے بدلے تیمم کرے گا۔ (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: 24/408؛ لقاء الباب المفتوح، ابن عثیمین 9/44)

اسی طرح پٹی یا اس کے مانند چیز پر مسح کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ اگر پٹی کا اضافی حصہ بغیر نقصان کے اتارنا ممکن ہو تو ایسا کرنا واجب ہے، ورنہ پوری پٹی پر مسح کرے گا، کیونکہ جب اضافی حصہ اتارنے میں نقصان ہو تو پوری پٹی کا حکم پٹی کے مانند ہو جائے گا۔ (الشرح الممتع: 1/243)

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما، اور شرک اور مشرکین کو ذلت نصیب فرما۔

اے اللہ! اپنے خلفاء راشدین، ہدایت یافتہ اماموں یعنی ابو بکر، عمر، عثمان اور علی سے راضی ہو جا، اور باقی صحابہ کرام، تابعین اور ان کے نیک پیروی کرنے والوں سے بھی قیامت کے دن تک راضی ہو جا۔

اے اللہ! غمزدوں کی غمخواری فرما، اور مصیبت زدوں کی مشکلات دور فرما۔

اے اللہ! ہمارے وطنوں کو امن عطا فرما، اور ہمارے ائمہ اور حکمرانوں کو درست راہ دکھا، اور (ہمارے حکمران اور ان کے ولی عہد) کو اپنی پسندیدہ اور رضا کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما، اور ان کی رہنمائی تقویٰ اور نیکی کی طرف فرما۔

اے اللہ! تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں مایوس لوگوں میں سے نہ بنا۔ اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں، بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے، تو ہم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرما۔

پس اللہ کا ذکر کرو وہ تمہیں یاد رکھے گا، اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو وہ تمہیں زیادہ دے گا۔

﴿وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُون﴾

”اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

☆☆☆

وقت کی قدر

امام ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ

”وقت کو ضائع وبرباد کرنا یہ موت سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ وقت کی بربادی سے ایک انسان اللہ اور یوم آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور موت تو ایک انسان کو صرف دنیا اور اہل دنیا سے جدا کرتی ہے۔“

(الفوائد لابن القیم: 1/31)

زکاۃ کے مال سے مسجد کی تعمیر

سوال: پندرہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد فن لینڈ کی مجاز اتھارٹی نے اس ملک میں پہلی مسجد بنانے کی اجازت دے دی ہے، ابھی مسجد کی تعمیر کے سارے مراحل باقی ہیں۔ پہلا مرحلہ قطعہ زمین کی خرید کا ہے جس پر منظور شدہ پلان / نقشہ کے مطابق مسجد کی تعمیر کی جائے گی اور جس کے لئے پانچ لاکھ یورو درکار ہیں، پھر تفصیلی نقشوں کے وضع کرنے کے اخراجات ہیں اور اس کے بعد مسجد کی عمارت کی تعمیر کا مرحلہ ہے کہ جس کے لئے کم از کم 8 ملیون ((80) اسّی لاکھ) یورو کا ہونا ضروری ہے، یہ مسجد فن لینڈ کا پہلا اسلامی مرکز ہوگا، جس میں ایک مسجد، مدرسہ، دفاتر شامل ہوں گے، ساتھ ساتھ مسجد کے اخراجات پورا کرنے کے لئے اوقاف کی تعمیر بھی شامل ہوگئی کہ جس کے کرائے یا آمدنی سے اخراجات پورے کئے جاسکیں گے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ یہاں مسلم کمیونٹی کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ اکثر لوگ تو حکومتی امداد پر گزارا کر رہے ہیں، اگر کچھ چندہ جمع بھی ہوگیا تو وہ قطعہ زمین کی خرید کے لئے بھی ناکافی ہوگا۔ ہم تین سال کے اندر اندر تعمیر مکمل کرنے کے بھی پابند ہیں۔

ہمارے علم میں آیا ہے کہ کئی مسلمان کمپنیاں ہمیں زمین کی خرید کے لئے زکاۃ کی رقوم دینے کے لئے آمادہ ہیں، تاکہ ہم کم از کم تعمیر شروع کرنے کے تو قابل ہوسکیں، ملاحظہ ہو کہ اگر ہم تاجر حضرات سے قرض لیتے ہیں تو ہم اس کی ادائیگی نہیں کرسکتے۔

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا ہم قطعہ زمین کی خرید اور ضروری ابتدائی اخراجات پورا کرنے کے لئے زکاۃ لے سکتے ہیں یا نہیں، یہ بھی واضح رہے کہ مسجد کمیٹی کے سارے ارکان للہ کام کر رہے ہیں، وہ کسی معاوضہ کے طلبگار نہیں ہیں، سوائے اس کے اللہ تعالی ان کے اس عمل کو قبول فرمائیں۔

جواب: زکاۃ کے مصارف سورۃ توبہ کی آیت 60 میں بیان ہوتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

”بے شک صدقات (زکاۃ وخیرات) فقراء، مساکین، زکاۃ کی وصولیابی کے ذمہ دار حضرات اور وہ لوگ جن کی تالیف قلب منظور ہے، ان سب کے لئے ہے اور گردن چھڑانے کے لئے اور قرضداروں کے لئے ہے اور (ان کاموں کے لیے) جو اللہ کی راہ میں ہوں اور مسافروں کے لئے ہے، یہ اللہ کی طرف سے ایک فرض ہے اور اللہ تعالی خوب علم اور حکمت والے ہیں۔“

یہ وہ زکاۃ کے آٹھ مصارف ہیں، جو اس آیت میں ذکر کئے گئے ہیں، جن میں مساجد کا ذکر نہیں ہے اور اسی لیے اس مسئلہ میں کہ آیا زکاۃ کی رقوم سے مساجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے، علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ آیت لفظ ”انما“ سے شروع ہوتی ہے جو کہ عربی زبان میں حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی زکاۃ کے مصارف انہی آٹھ چیزوں میں محصور کر دیئے گئے ہیں، اس لئے ان آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور چیز کو مصارف زکاۃ میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کے تحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے داخل ہیں اور وہ بھی جو رزق کی تلاش میں یا طلب علم یا تعلیم کے لئے سرگرداں ہیں۔ جیساکہ سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾

”(یہ صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے، جو زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ انہیں اس لئے غنی سمجھتے ہیں کہ وہ سوال کے لئے ہاتھ نہیں پھیلاتے، تم انہیں ان کی پیشانیوں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے اصرار کرکے نہیں مانگتے، اور جو کچھ مال تم خرچ کرو تو اللہ اسے جاننے والا ہے۔“

اس لحاظ سے ”فی سبیل اللہ“ کی مد میں بنفس نفیس جہاد کرنے والے اور دعوت دین کا جہاد کرنے والے دونوں داخل ہیں، خاص طور پر دیار غرب میں جہاں مسلمان تعداد اور وسائل کے اعتبار سے کمزور ہیں، تو وہ مساجد اور اسلامی مراکز کی تعمیر میں زکاۃ کے اموال لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کے پاس ذاتی اموال

اور تبرعات سے معقول فنڈز نہ جمع ہو سکتے ہوں۔

ایک تیسری رائے کہ جس کے قائل رشید رضا اور دوسرے علماء بھی ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کی مد میں خیر کے سارے کام آجاتے ہیں کہ جن میں مساجد اور مدارس کی تعمیر، یتیم خانوں کا قیام اور راستوں اور پلوں کا بنانا بھی آجاتا ہے اور اس مد میں بعض کے نزدیک صرف آٹھواں حصہ اور راجح رائے کے مطابق زکاۃ کی ساری رقم بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہاں ایک بات زیر غور رہنی چاہیے کہ بلاد غرب میں مسجد کی تعمیر کے اخراجات بعض دفعہ لاکھوں ڈالروں کے محتاج ہوتے ہیں، اس لیے اگر ساری کی ساری زکاۃ صرف مساجد اور مراکز کی تعمیر میں لگا دی جائے تو وہ فقراء اور مساکین جو کہ اصل میں زکاۃ کے مستحق ہیں، محرومی کا شکار ہو جائیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے تو صاف صاف کہا ہے کہ ''زکاۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لی جائے اور ان کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔''

اور اگر امت مسلمہ کی حالت زار کو دیکھا جاتو ایسے لاتعداد لوگ نظر آئیں گے جو نان جویں کے مستحق ہیں اور ایسے بھی جو فقر و فاقہ کی انتہائی حدوں کو چھو رہے ہیں۔ اس لیے ہم فن لینڈ کے درخواست گزاروں سے کہتے ہیں کہ وہ فی الحال اپنے جمع شدہ فنڈز کے علاوہ اتنی زکاۃ اور لے سکتے ہیں کہ جس سے قطعہ زمین خریدا جاسکے اور مکمل مسجد کی تعمیر کے لئے تگ و دو جاری رکھی جائے تاکہ اہل خیر اور جنت میں اپنا مکان بنانے کے خواہشمند لوگ اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈال کر مسجد کی تعمیر کو ممکن بنا سکیں، اور ان شاء اللہ ایسا ہونا ناممکن نہیں، یورپ کے اکثر بڑے شہروں میں بڑے بڑے مراکز تعمیر ہوئے ہیں کہ جن کے مکمل کرنے میں کئی دولتمند مسلمان ملک یا ان مالدار مخیر حضرات نے حصہ لیا ہے، جو صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جانتے ہیں، اپنی شہرت یا ناموری نہیں جانتے۔ واللہ الموفق

حلال و حرام میں مستعمل دوائی کی تجارت

سوال: میں ایک یورپی ملک میں رہائش رکھتا ہوں اور دو غیر مسلم حضرات کے ساتھ تھ ایک کمپنی میں بحیثیت شریک تجارت کرتا ہوں جو دواؤں اور طبی مرکبات کا کاروبار کرتی ہے، ہمیں ایک دوسری میڈیکل کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کی آفر آئی ہے۔ یہ کمپنی ''فیلر'' کے انجکشن تیار کرتی ہے جو چہرے اور گھٹنوں کی سختی کو نرم کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، کیا اس قسم کے انجکشن کی تجارت حلال ہے جو دونوں طرح سے استعمال ہو سکتے ہیں، یعنی چہرے کو کسی مرض کی بنا پر لاحق بد نمائی کو زائل کرنا یا صرف چہرے کو مزید جاذب نظر بنانے کی کوشش کرنا، جیسے ہونٹوں کو پھُلانا یا آنکھ کے نچلے حصے کو بھرنا یا چہرے کو خوش کن بنانا وغیرہ۔

جواب: یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے کہ ایک چیز دونوں طرح استعمال کی جاسکتی ہے، حلال کے لئے بھی اور حرام کے لئے بھی، اس میں یہ اصول کار فرما ہے کہ اگر وہ چیز بذات خود حلال ہو تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے، اور ایک دفعہ ایک چیز کو فروخت کر دیا تو اب ذمہ داری خریدنے والے (مشتری) کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اب اگر وہ اُسے کسی حرام کام میں استعمال کرتا ہے تو وہ خود ذمہ دار ہو گا۔

یہاں پر سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ آیا ایسا کرنا ایک گناہ کے کرنے میں مدد پہنچانے کے مترادف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۃ المائدہ:2)

''اور نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں قطعاً تعاون نہ کرو۔''

یہ بات درست ہے اور ایسی صورتحال سے بچنے کے لئے مناسب ہو گا کہ اگر ظن غالب ہو کہ مشتری اس چیز کو حرام کام کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے شخص کو یہ چیز فروخت نہ کی جائے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانے میں چھری کانٹے بیچنے والا شخص اُس آدمی کو چھری نہ بیچے جو بظاہر کسی کا خون بہانے کے لئے چھری کی خرید کا ارادہ رکھتا ہو، اور ایسے ہی اس ملبوس کا مسئلہ ہے جو بہت ہی باریک اور حیا سوز ہو کہ جسے گھر کی چار دیواری میں پہنا جائز ہو لیکن اگر گھر سے باہر پہنا جائے تو ممنوع ہو کہ اس میں جاہلیت کا ساتعیش پایا جاتا ہے، اور اسی پر ان ادویہ اور طبی سازوسامان کا قیاس کیا جاسکتا ہے، جن کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

مولانا ظفر الحسن المدنی کی برطانیہ آمد

شیخ ظفر الحسن المدنی عالمی داعی و خطیب شارجہ، دبئی۔ حسب سالہائے گزشتہ دعوت و تبلیغ کے لیے برطانیہ پہنچ چکے ہیں اور مختلف مساجد و مراکز میں ان کے پروگرام جاری ہیں۔ مرکزی جمعیہ اہل حدیث برطانیہ کے قائدین و علمانے انہیں اہلا و سہلا مرحبا کہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم انہیں صحت و عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور بندگان خدا کو ان کی تبلیغ سے فائدہ بخشے۔ آمین

مولانا رانا محمد شفیق خان پسروری کی برطانیہ آمد

مرکزی جمعیہ اہل حدیث پاکستان کے ذمہ دار، خطیب مسجد علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، مصنف کتب کثیرہ، سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اور معروف کالم نگار مولانا رانا محمد شفیق خاں پسروری موسم سرما میں کانفرنسوں اور اجتماعات سے خطاب کرنے کے لیے برطانیہ پہنچ چکے ہیں اور مختلف شہروں میں ان کے پروگرام جاری ہیں۔ ذمہ داران مرکزی جمعیہ اہل حدیث برطانیہ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کی صحت و عافیت کے لیے اللہ سے دعا کی ہے۔

إنّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، فَمَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنّ مُحَمّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمّا بَعْدُ! أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشّيْطٰنِ الرّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرّحْمٰنِ الرّحِيْمِ

﴿ وَاخْتِلَافِ اللّيْلِ وَالنّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السّمَاءِ مِن رّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرّيَاحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (سورة الجاثية:5)

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنّ اللّٰهَ يُحِبّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورة البقرة: 195)

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾ (سورة النساء:29)

سیدنا عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الغَنِيمَةُ البَارِدَةُ الصّوْمُ فِي الشّتَاءِ»

(جامع ترمذی:797)

تمہید

موسم سرما اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا تحفہ اور اہل ایمان کے لیے بہار کی مانند ہے۔ موسموں کی تبدیلی، قدرتِ الٰہی کا مظہر اور دنیا والوں کے لیے زندگی اور خوب صورتی کا باعث ہے۔ موسم کی تبدیلی اور لیل ونہار کے نظام سے پتہ چلتا ہے کہ وقت بڑی تیز رفتاری سے گزر رہا ہے؛ بندہ مومن کبھی بھی اپنے فراغت کے لمحات کو فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتا۔

موسم سرما اور اس کی مختصر تعطیلات میں اپنے وقت کو مفید بنانے کے لیے کچھ اس طرح ٹائم شیڈول بنانا چاہیے، مثلاً: عبادات کا اہتمام کرنا، کثرت سے دعا کرنا، حلال رزق کمانا، مفید مطالعہ کرنا؛ ترجمہ قرآن وحدیث کے شارٹ کورس کرنا، اہل علم کی صحبت اختیار کرنا، عزیز رشتہ داروں سے ملاقات اور مریضوں کی تیمارداری کرنا اور خدمت خلق کے کام سرانجام دینا وغیرہ۔

یہ تمام امور بندگی اور عبادتِ الٰہی کا حصہ ہیں، فرصت کے یہ لمحات عبادت کے لیے غنیمت ہیں۔ جن وانس کی تخلیق کا اصل مقصد بندگی اور احکام الٰہیہ کو بجالانا ہی ہے۔ جس کے بغیر زندگی بے کار، عبث اور ضائع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنّ وَالْاِنْسَ اِلّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (سورۃ الذاریات:56)

”ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔“

جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے، انھیں مستقبل میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ موسم سرما کی تعطیلات میں دیکھا گیا ہے کہ بیشتر والدین اپنے بچوں کی تربیت کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ بچے موبائل فون، بے کار گیمز، کھیل کود اور زیادہ سوئے رہنے سے اپنا وقت برباد کردیتے ہیں، ٹائم شیڈول نہیں بنایا جاتا۔

ان ایام میں طلبہ کو قرآن مجید پڑھنے اور حفظ کرنے، صبح و شام کے اذکار یاد کرنے، اسلامک اسٹڈیز اور عبادات کی طرف توجہ کرنی چاہیے؛ تاکہ یہ معمولات بچوں میں بڑے ہو کر پختہ عادات کا حصہ بن جائیں، جس سے معاشرے میں ایک صالح کردار پیدا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسم سرما کسی نعمت سے کم نہیں، اس میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات ادا کرتے ہوئے پسینہ، گرمی کا محسوس ہونا اور موسم کی حدت وسختی کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی کے متعلق حدیث میں رہنمائی ہے۔

سیدنا عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الغَنِيمَةُ البَارِدَةُ الصّوْمُ فِي الشّتَاءِ»

”سردی میں روزہ رکھنا، ٹھنڈی غنیمت (بغیر مشقت) ہے۔“ (جامع ترمذی:797)

موسم کی تبدیلی، عقل والوں کے لیے نشانی

موسموں کی تبدیلی، قدرتِ الٰہی کا مظہر اور دنیا والوں کے لیے زندگی اور خوب صورتی کا باعث ہے۔ موسم کی تبدیلی اور لیل ونہار کے نظام سے پتہ چلتا ہے کہ کار خانہ ہستی کو چلانے والا کوئی ضرور ہے؟ جو ہر چیز پر قادر اور مطلق العنان ہے، جس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے عبرت، نصیحت اور معرفت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔

کوئی ہے جو غور وفکر کرے؟

پوری کائنات مشاہداتی اور تجرباتی دلائل سے بھری پڑی ہے۔ جن نشانیوں کو آنکھ دیکھتی، کان سنتے اور حواس سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں گزرتے ایام، موسم کی تبدیلی، عمریں فنا اور زندگی وموت سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

ان نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب الاعلیٰ کی معرفت اور پہچان حاصل کرے، جو مقصدِ حیات ہے۔ اللہ کی کاریگری، شاہکار تخلیقات اور آیاتُ اللہ کے بارے میں دل غوروفکر کرے، تاکہ انسان کو رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (سورۃ آل عمران:190)

”بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے یقینا بہت سی نشانیاں ہیں۔“

موسم کی تبدیلی عقل والوں کے لیے نشانی

1...﴿وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ لیل ونہار کا اختلاف، اس میں دن اور رات کا آنا جانا، رات کا دن سے لمبا ہونا اور دن کا رات سے لمبا ہونا، اسی طرح سارا سال ہر روز طلوع و غروب کی جگہوں کا مختلف ہونا سب شامل ہے۔

2...﴿ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن رِّزْقٍ﴾ غور کیجئے! یہاں آسمان سے نازل کی جانے والی چیز کے لیے پانی کے بجائے رزق کا لفظ استعمال فرمایا، کیونکہ آسمان سے بارش کے علاوہ بھی بہت کچھ اترتا ہے، جس سے تمام جانداروں کے رزق کا بندوبست کیا گیا ہے۔ مثلاً سورج اور چاند کی کرنیں، روشنی، ہوائیں اور بہت سی چیزیں جو نظر نہیں آتیں مگر موجود اور محسوس کی جاسکتی ہیں، سب اوپر سے نازل ہوتی ہیں۔

3...﴿وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ﴾ ہواؤں کی تقسیم بھی کئی طرح کی ہے، مثلاً مشرقی، مغربی، جنوبی یا شمالی یا ان کے درمیان کی ہوائیں، ٹھنڈی، گرم یا معتدل ہوائیں، بار آور یا عقیم ہوائیں اور فائدہ پہنچانے والی یا نقصان دینے والی ہوائیں وغیرہ۔ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (سورۃ الجاثیۃ:5)

”اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کردیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔“

موسم سرما، آخرت کی یاد دلاتا ہے

موسم سرما، سردی کی شدت اور موسم کی خنکی دراصل ہمیں آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ کیوں کہ جہنم میں دو طرح کا عذاب ہوگا، آگ کا عذاب اور سخت سردی کا عذاب۔ جب کہ اہل جنت ان دونوں عذابوں سے محفوظ ہوں گے۔

جنت کا موسم نہایت خوش گوار اور معتدل ہوگا، جیسے کہ ہمارے ہاں بہار کا موسم ہوتا ہے، اس میں نہ تکلیف دہ گرمی ہوگی نہ سردی۔ اس کے برعکس جہنم میں شدید گرمی یعنی آگ اور شدید سردی کا عذاب ہوگا۔

دنیا میں شدید گرمی اور شدید سردی کی اصل بھی جہنم ہی سے ہے۔

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، فَقَالَتْ: يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ، وَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ»

”جہنم نے اپنے رب سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب، میرے ایک حصے نے دوسرے حصے کو کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے (سال میں) اس کے لئے دو سانس لینے کی اجازت دے دی، ایک سانس سردی کے موسم میں اور دوسری سانس گرمی کے موسم میں، چنانچہ یہی وجہ ہے جو تم شدید گرمی محسوس کرتے ہو اور یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے تم شدید سردی محسوس کرتے ہو۔“ (صحیح بخاری:537، صحیح مسلم: 617)

موسم کی تبدیلی نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے

قریش سال بھر میں تجارت کے لیے دو سفر کرتے تھے۔ سردی کے دنوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب علاقہ ہے۔ اس طرح قریش کو تجارت میں خاطر خواہ نفع ہوتا، پھر امن و چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کیوں ستاتے ہو؟ کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ 0 فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ 0 الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾ (سورۃ قریش:2-4)

”ان کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے۔ تو ان پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ وہ جس نے انھیں بھوک سے (بچاکر) کھانا دیا اور خوف سے (بچاکر) امن دیا۔“

موسم سرما غنیمت کیسے؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسم سرما کسی نعمت سے کم نہیں، اور اس میں تعطیلات یقینا غنیمت کے لمحات ہیں۔ جس میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات ادا کرتے ہوئے پسینہ، گرمی کا محسوس ہونا اور موسم کی حدت

وسختی کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی کے متعلق حدیث میں رہنمائی ہے۔

سیدنا عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الغَنِيمَةُ البَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ»

"سردی میں روزہ رکھنا، ٹھنڈی غنیمت (بغیر مشقت) ہے۔" (جامع ترمذی:797)

موسم سرما، عبادت الٰہی کے قیمتی لمحات

دنیا کے مشاغل، تجارت اور کام دھندے انسان کو ذکر الٰہی اور عبادت سے غافل کر دیتے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں جتنا زیادہ کام کروں گا اسی قدر ترقی کروں گا، مادیت اور خواہشات کے لحاظ سے یہ بات درست ہو سکتی ہے، مگر روحانی اور اسلامی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ جس قدر عبادت میں مشغول ہو گا اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کے غموں سے نجات اور فقیری سے بچا کر رزق میں برکت ڈال دے گا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَ أَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ»

"ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے یکسو ہو جا، میں تیرا سینہ استغناء و بے نیازی سے بھر دوں گا، اور تیری محتاجی دور کروں گا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرا دل مشغولیت سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی دور نہ کروں گا۔" (جامع ترمذی:2466)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، موسم سرما کو کیسے غنیمت جانتے؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفا بسند صحیح سے ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

«أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى الْغَنِيمَةِ الْبَارِدَةِ؟ قَالَ:الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ»

"کیا میں تمہیں ٹھنڈی غنیمت کے بارے نہ بتاؤں؟ وہ سردی میں روزہ رکھنا ہے۔" (السنن الکبری للبیہقی:5 845)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلشِّتَاءُ غَنِيْمَةُ الْعَابِدِيْنَ

"سردی کا موسم عبادت گزاروں کے لیے موقعہ غنیمت ہے۔" (حلیۃ الاولیاء:1/51؛ کتاب الزہد للامام احمد ص:615)

موسم سرما میں اسلاف کا طرزِ عمل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان خندق کی طرف تشریف لے گئے، آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم سردی کی سختی کے باوجود صبح صبح خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو ان کے حق میں دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ إِنَّ العَيْشَ عَيْشُ الآخِرَهْ، فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالمُهَاجِرَهْ»

" اے اللہ! زندگی تو پس آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے جواب میں کہتے:

"نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا ... عَلَى الجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا."

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر اس وقت تک جہاد کرنے کا بیعت کی ہے، جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ (صحیح بخاری:2834)

موسم سرما میں دوسرا واقعہ؛ جنگ احزاب

جنگ احزاب میں شدید سردی اور طوفانی رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کافروں کے لشکر کی خبر لینے کا (جاسوسی کے لیے) حکم دیا، جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا عظیم مظاہرہ کرتے بخوشی سرانجام دیا اور اللہ تعالی نے اس دوران ان کے لیے سردی کا احساس تک ختم کر دیا، وہ خود فرماتے ہیں:

«فَلَمَّا وَلَّيْتُ مِنْ عِنْدِهِ جَعَلْتُ كَأَنَّمَا أَمْشِي فِي حَمَّامٍ»

"جب میں آپ کے پاس گیا تو گویا میں حمام میں چل رہا تھا۔" (صحیح مسلم:1788)

سردی کی لمبی راتیں اور قیام اللیل

سردیوں کی لمبی راتوں میں آنکھ کا کھل جانا اور بیدار ہونا عام بات ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نیک لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ (سورۃ الذاریات:17)

"وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

«نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ»

عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے اگر وہ رات کو نماز تہجد پڑھے تو۔ یہ حدیث سننے کے بعد سیدنا عبداللہ (رات کو نماز ہی پڑھتے رہتے) اور بہت کم ہی سوتے تھے۔ (صحیح بخاری:1122)

سخت سردی میں قیام اللیل پر اللہ کا خوش ہونا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس شخص پر تعجب کرتا ہے اس کی طرف مسکراتا ہے جو سخت سردی کی رات میں بھی اپنے بستر لحاف اور کمبل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے: میرے اس بندے کو اتنی تکلیف ومشقت برداشت کرنے پر کس چیز نے ابھارا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یااللہ وہ تیری رحمت کا امیدوار ہے اور تیرے

عذاب سے خائف ہے (اسی وجہ سے تو یہ مشقت کر رہا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وہ جس چیز کا امیدوار ہے وہ میں نے اسے عطا کر دی اور جس سے ڈرتا ہے، اس سے امن عطا کر دیا۔“ (المعجم الکبیر للطبرانی: 8532؛ صححہ الالبانی فی صحیح الترغیب:630)

موسم سرما کے شرعی احکام

1...اللہ تعالیٰ نے سردی کے ایام میں اپنے بندوں کے لیے شرعی احکام میں رخصت کا پہلو، تیمم اور مسح کرنے کی سہولت دیتے ہوئے تکلیف سے بچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورة المائدة:6)

”لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔“

2...بارش کا پانی پاک اور مبارک ہے، جس سے وضو اور غسل کے ذریعے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴾

”اور وہی ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔“ (سورۃ الفرقان:48)

3...سردی کے باوجود خوب اچھی طرح وضو کرنا، شریعت کا حکم ہے۔ جس سے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟»

”کیا میں تمہیں ایسی چیز سے آگاہ نہ کروں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا اور درجات بلند فرماتا ہے؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اے اللہ کے سول کیوں نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ»

”ناگواری (سردی، بیماری) کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، مساجد تک زیادہ قدم چلنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، سو یہی رِباط (شیطان کے خلاف جنگ کی چھاؤنی) ہے۔“ (صحیح مسلم:251)

4... سخت سردی یا شدید بیماری یا عذر کی صورت میں اگر وضو یا غسل کرنے سے بیماری کی شدت یا موت کا خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں رخصت پر عمل کرنا مسنون ہے۔

جب موزوں اور جرابوں) کو وضو کر کے پہنا گیا ہو تو مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہے۔

(صحیح بخاری:206؛ سنن ابو داوٗد:157، 162)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرماتے تھے کہ

وہ (سفر میں) موزے تین دن اور تین رات تک، پیشاب، پاخانہ یا نیند کی وجہ سے نہ اتاریں، الا یہ کہ جنابت لاحق ہو جائے (تو اتاریں اور غسل کریں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عماموں (پگڑیوں) اور تساخین (پاؤں کو گرم رکھنے والی چیزوں یعنی موزوں اور جرابوں) پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ (سنن ابو داوٗد: 146)

موسم سرما میں احتیاطی تدابیر

موسم کی خنکی، ٹھنڈی ہوائوں اور سردی کے اثرات سے خود بچنا اور اپنے بچوں کو بچانا، ایک شرعی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ جس کے لیے گرم خوراک کا اہتمام کرنا۔ موٹے کپڑوں کا استعمال کرنا۔ آگ جلاتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ رکھنا، رات سوتے ہوئے آگ بجھا کر سونا، تاکہ کسی قسم کا ناگہانی حادثہ پیش نہ آئے، جس سے جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑے۔ حدیث میں آگ کو دشمن قرار دیا گیا ہے، محتاط زندگی اور پرہیزگاری مومن کا شیوہ ہے۔

آگ سے احتیاط برتیں

دین اسلام نے مسلمان کی انفرادی اور سماجی زندگی ہر پہلو میں رہنمائی کی ہے۔ موسم سرما میں گرمائش حاصل کرنے کے لیے آگ جلانے کے مختلف آلے استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً: گیس، بجلی یا کوئلہ وغیرہ، آگ کے بارے حکم ہے کہ رات کو سوتے ہوئے بجھا دو، کیوں ان کے جلنے سے آگ لگنے اور جانی ومالی نقصان ہونے کا خدشہ ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ» (صحیح بخاری:6295)

”جب تم سونے لگو تو گھر میں آگ نہ چھوڑو۔“

آگ تمہاری دشمن ہے

جان ومال کی حفاظت کرنا ہر بندے کا ذاتی حق ہے اور شرعی حکم بھی، کیوں کہ احتیاط زندگی کی ضمانت ہے۔ عموماً گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ بے احتیاطی برتی جاتی ہے، گیس اور بجلی کے آلات کو محفوظ نہیں کیا گیا ہوتا، جس کے نتیجے میں بسا اوقات بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ سے محتاط رہنے کی سخت تاکید کی ہے۔

ایک مرتبہ مدینہ کے ایک گھر میں آگ لگ گئی، جس

کی وجہ سے پورا گھر جل گیا، آپ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا:

«إنّ هَذِهِ النّارَ إنّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُم، فَإذَا نِمْتُم فَاطفِئُوهَا عَنكُم»

”آگ تمہاری دشمن ہے، اس لیے جب سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو۔“ (صحیح بخاری: 6294 ؛ صحیح مسلم: 2016)

رسول اللہ ﷺ کی چٹائی جل گئی

رات کو سوتے وقت آگ، کوئلے والی انگیٹھی، گیس یا بجلی کے ہیٹر اور لائٹس وغیرہ بجھا کر سونا چاہیے، ورنہ نقصان ہو سکتا ہے، نیز اس قسم کے حادثات آئے روز اخبارات میں پڑھنے اور سننے کو ملتے ہیں، جو درحقیقت غفلت اور شیطانی حرکت کا عمل ہوتا ہے، اس لیے ہمیشہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کوئی چوہیا چراغ کی بتی گھسیٹ کر لے آئی اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس چٹائی پر ڈال دی جس پر آپ تشریف فرما تھے اور ایک درہم کے برابر جگہ جل گئی تو آپ نے فرمایا:

«إذَا نِمْتُمْ فَأطْفِئُوا سُرُجَكُمْ، فَإنّ الشّيْطَانَ يَدُلُّ مِثْلَ هَذِهِ عَلَى هَذَا فَتُحْرِقَكُمْ» (سنن ابوداود: 5247)

”جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ شیطان اس جیسی مخلوق کو اس قسم کا کام سجھا دیتا ہے اور تمہارے گھروں میں آگ لگا دیتا ہے۔“

رات سونے کے آداب

رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایات کتنی حکمت پر مبنی ہیں، آگ سے اسی طرح احتیاط برتنی چاہیے اور اسی طرح چوکنّا رہنا چاہیے جس طرح دشمن سے چوکنّا رہا جاتا ہے، موسم سرما میں بہت احتیاط برتتے ہوئے آگ سے ٹھنڈک دور کرنے کی تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«أَطْفِئُوا المَصابِيحَ إذا رَقَدْتُمْ، وغَلِّقُوا الأبْوابَ، وأَوْكُوا الأسْقِيَةَ، وخَمِّرُوا الطَّعامَ والشَّرابَ»

”سوتے وقت چراغوں کو بجھا دو، دروازوں کو بند کر دو، مشکیزوں کو باندھ دو اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھک دو۔“ (صحیح بخاری: 5624)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں مزید حکمت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإنّ الفُوَيْسِقَةَ رُبّمَا جَرّتِ الفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ البَيْتِ»

”کیونکہ بسا اوقات چوہیا چراغ کی بتی کھینچ لیتی ہے اور گھر والوں کو جلا دیتی ہے۔“ (صحیح بخاری: 6295)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو موسم سرما سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اے ارضِ فلسطین

ہر ذرّہ ترا خون شہیداں سے ہے رنگیں
پی پی کے لہو کیوں نہیں ہوتی تری تسکین
ہر آن تری خاک پہ انساں کی ہے توہین
اے ارضِ فلسطین

اکسیر ہے انجیر، نہ تریاق ہے زیتون
روتا ہوں لہو پڑھتا ہوں جو سورۂ والتین
ہر خوشۂ انگور سے رِستا ہے ترا خون
اے ارضِ فلسطین

یا رب! یہ ترے پیارے براہیم کی بستی
آتا ہے نظر حشر کا منظر سر سینین
انساں کا مقدر ہے جہاں ذلت وپستی
اے ارضِ فلسطین

ملبے تلے بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی جواں بھی
اٹھتا ہے جنازہ، نہ ہے تکفین نہ تدفین
لاشوں کے ہیں انبار میں گم باپ بھی ماں بھی
اے ارضِ فلسطین

یحیٰی ہیں جو مقتول تو مضروب ہیں عیسیٰ
قابض ہیں رسولوں کی وراثت پہ شیاطین
محفوظ شفا خانے، نہ مسجد نہ کلیسا
اے ارضِ فلسطین

دعویٰ ہے کہ ہیں موسیٰ وہارون کے پیرو
انسان سمجھنا انہیں انساں کی ہے توہین
کردار میں فرعون سے بدتر ہیں مگر جو
اے ارضِ فلسطین

پتھر کے نہیں ہیں یہ مگر لگتے ہیں پتھر
مُردوں سے گئے گزرے ہیں سب شیخ وسلاطین
احساس نہیں ان کو گزرتی ہے جو تجھ پر
اے ارضِ فلسطین

بہتے ہیں لہو بن کے مسلسل مرے آنسو
جنت میں ہیں اولاد کے اس ظلم پہ غمگین
تھمتے ہی نہیں دیدۂ یعقوب سے آنسو
اے ارضِ فلسطین

دیتا ہوں جو بیداد وستم پر میں دہائی
مانگوں جو دعا میں تو فرشتے کہیں آمین
فریاد مری عرشِ معلیٰ کو چھو آئی
اے ارضِ فلسطین

خواجہ محمد عارف، برمنگھم

☆☆☆

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی کرامت!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب قحط سالی سے دوچار ہوتے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کراتے اور دعا کرتے: "اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی کریم ﷺ سے بارش کی دعا کراتے تھے تو ہمیں بارش سے سیراب کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا سے بارش کی دعا کراتے ہیں، اس لیے ہمیں بارش سے سیراب کر۔" راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد خوب بارش ہوتی۔ (صحیح بخاری: 3710)

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی کرامت

سیدہ ہرزہ بنت رافع روایت کرتی ہیں، انہوں نے کہا کہ جب ہدیات آئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، جب وہ ان کے پاس پہنچیں تو انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بخشے کہ میرے علاوہ میرے بہنیں ہیں جو اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سارا آپ کے لئے ہے، انہوں نے کہا:

سبحان اللہ! اور اسے ایک کپڑے سے چھپالیا اور کہا کہ آپ اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں اور اس سے ایک مٹھی بھر لے کر فلاں کو دے دیں اور ایک مٹھی بھر کر فلاں کو تقسیم کر دیں، ان کے بچوں اور رشتہ داروں کو انہوں نے سب میں تقسیم کر دیا، اس کے باوجود کچھ باقی رہ گیا، ان سے برزہ نے کہا، اللہ تمہیں بخش دے، ہمارا بھی اس میں حصہ ہونا چاہیے تو انہوں نے کہا:

تمہارے لئے وہ ہے جو کپڑے کے نیچے ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے کپڑے کو اٹھایا تو اس کے نیچے پچاسی (85) درھم تھے۔ پھر سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور کہا کہ اے اللہ! اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی عطا مجھے نہ پہنچے۔ چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ (الاصابۃ لحافظ ابن حجر: 12/162؛ مجابو الدعوۃ: 80)

ابو المنذر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کرامت

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں ہماری قوم کی زمین کی طرف لے چلو، چنانچہ سب کے سب نکل پڑے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں سے پیچھے تھے، اچانک بادل گھر کر آگئے تو سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اس کے نقصان سے ہمیں محفوظ رکھ، پھر ہم دوسرے لوگوں سے جا ملے، جبکہ ان کی سواریوں کے کجاوے بھیگ چکے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر کہا: ہمیں جو نقصان ہوا وہ تمہیں نہیں ہوا؟ ہم نے کہا: سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دُعا کی تھی کہ اس کے نقصان سے ہمیں بچائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اپنی دعا میں ہمیں بھی شامل کرتے تو ہم بھی اس نقصان سے بچ جاتے۔

(مجابو الدعوۃ ابن ابی الدنیا: ص 74)

ابو نجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی کرامت

سیدنا مطرف بن عبد اللہ کہہ رہے تھے کہ مجھ سے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے فائدہ دے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرہ اور حج کو جمع فرمایا اور اس سے منع نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ وفات پا گئے اور قرآن میں اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم: 1226)

غزل

متاعِ صبر لٹی، دولتِ قرار گئی
وہ ہم سے دور ہوئے، رونقِ بہار گئی
پڑی جو ایک نظر ان کی، صحن گلشن میں
کلی کو پھول کیا، پھول کو نکھار گئی
حیات، لذت وغم کا حسین سنگم ہے
کہ آئی ناز سے، لوٹی تو اشکبار گئی
مرض یہ قوم کا کچھ بھی سمجھ میں آ نہ سکا
خدا کو چھوڑ کے کیوں جانبِ مزار گئی
دیا ہے شمع نے انساں کو درسِ عبرت یوں
جلا کے اپنی 'انا' بزم کو سنوار گئی
وطن جو لوٹے تو عقدہ کھلا ہے یہ ثاقب
خزاں تھی دشت میں، اب گھر سے بھی بہار گئی

ثاقب

اولڈہم: سابق امام وخطیب مولانا عبد العزیز کی وفات

سابق امام وخطیب مولانا عبد العزیز وفات پا گئے۔ مرحوم ضلع کوٹلی کے مفتی عبد الغفار سلفی بن خرماں آزاد کشمیر کے والد تھے اور جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ کے معروف عالم دین تھے۔ ان کی وفات پر حاجی حبیب الرحمٰن جہلمی گلاسگو، مولانا قاری لیاقت علی باجوہ سیالکوٹ، مولانا شعیب احمد میرپوری، قاری ذکاء اللہ سلیم، مولانا محمد عبد الہادی العمری، مولانا شفیق الرحمٰن شاہین، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور دیگر علمائے کرام اور احباب نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے ان کی مغفرت کیلیے دعا کی ہے۔ نماز جنازہ میرپور آزاد کشمیر میں رئیس جامعہ اثریہ جہلم مولانا حافظ عبد الحمید عامر مدنی نے پڑھائی، جس میں علماء واحباب نے شرکت کی۔ ملک اور بیرون ملک مرحوم کی نمازہ جنازہ غائبانہ بھی ادا کی گئی۔

ترجمہ عبارت حجۃ اللہ البالغہ:

اور قاضی شریحؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے انہیں تحریر کیا تھا کہ قرآن مجید میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے موافق فیصلہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو ایسا کرنے سے باز رکھیں، اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم قرآن مجید میں نہ ملے تو حدیث کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا اور اگر کوئی حدیث نہ ہو تو پھر اتفاقی بات کو دیکھ جس پر اکثر لوگ متفق ہوں اس کو لے۔ اور اگر ایسی بات ہو جس میں کسی نے کچھ نہ کہا ہو، تو پھر خواہ اس کو اپنی رائے سے فیصلہ کر۔ خواہ اس میں ساکت رہ۔ اور سکوت تیرے حق میں مفید اور بہتر ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے ہم ایسے زمانہ میں تھے کبھی ہم کو فیصلہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہم اس کے لائق تھے، اب تقدیر سے یہ وقت آ پہنچا ہے جو تم دیکھتے ہو۔ سو اب جس کو کوئی مقدمہ پیش آوے وہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرے اور جس امر کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو، اس میں حدیث کے موافق فیصلہ کرے۔ اور اگر حدیث بھی نہ ملے تو پہلے صالحین کے فیصلہ کے موافق کرے۔ اور اپنی رائے و قیاس سے کچھ نہ کہے، کیونکہ حرام ظاہر ہے اور حلال بھی ظاہر ہے اور دونوں کے بیچ میں شبہ کی چیزیں ہیں۔ پس جس میں شبہ ہو، اسے چھوڑ دے اور جو بلاشبہ ہو، اسے لے لے۔

اور جب کوئی ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتا تو اگر آپ وہ مسئلہ قرآن میں پاتے تو بیان فرماتے اور اگر قرآن میں نہ پاتے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھ سناتے اور اگر حدیث بھی نہ ملتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے۔ اگر یہ بھی نہ پاتے تو پھر اپنی رائے سے بیان فرماتے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ تمہیں اس میں خوف نہیں آتا جو تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا اور (اس کے مخالف) فلاں کا یہ قول ہے۔

قتادہؒ نے کہا کہ ابن سیرینؒ نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی اور دوسرے نے کسی کا قول بیان کیا تو ابن سیرین نے کہا میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں کا یہ قول ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ جو امر کتاب اللہ میں ہو، اس میں کسی کی رائے مقبول نہیں اور آئمہ کی رائے اس میں مقبول ہے جس میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا کوئی حکم نہ ہو۔

اعمشؒ نے کہا کہ ابراہیمؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ مقتدی (جب کہ امام کے پیچھے تنہا ہو) امام کے بائیں طرف کھڑا ہو، اور جب میں نے سمیع کی زیارت کی تو حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس کو اپنی داہنی طرف کھڑا کیا تھا تو پھر انہوں نے اس حدیث کو لے لیا۔ اور شعبی کے پاس کوئی شخص مسئلہ پوچھنے کو آیا تھا تو انہوں نے اس کے جواب میں ابن مسعود کا قول سنایا، اس نے کہا تم اپنی رائے سے بتاؤ، تو وہ حاضرین کو کہنے لگے کیا تم اس شخص سے متعجب نہیں ہوتے کہ میں ابن مسعود کا قول سناتا ہوں اور یہ میری رائے پوچھتا ہے، میرا دین میرے اعتقاد میں اس (رائے سے فتوی دینے) سے مقدم ہے بخدا اگر میں دوسرے کے قول پر فتوی دینے سے مستغنی رہوں تو مجھے اس سے پیارا ہے کہ اپنی رائے سے کچھ کہوں۔ یہ تمام آثار دارمی نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ہم وکیع کے پاس تھے جب اس نے اہل رائے میں سے ایک شخص کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں وہ مثلہ ہے (جیتے کا کان ناک کاٹنا)۔ اس شخص نے جواب دیا، ابراہیم نخعی بھی کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، تو ان پر وکیع نہایت غصہ سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو ابراہیم کا قول نقل کرتا ہے۔ پس تیری سزا یہی ہے کہ قید کیا جائے یہاں تک کہ اس قول سے باز نہ آوے۔

اور ابن عباس و عطاو مجاہد و مالک بن انس وغیرہ نے فرمایا ہے کہ سوائے آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کے قول کو اختیار اور ردّ نہ کر سکیں۔

حاصل یہ کہ جب انہوں نے فقہ کو ایسے قواعد پر بنایا تو ہر مسئلہ میں جو ان سے پہلے یا انکے زمانہ میں کہا گیا ہو، کوئی حدیث مرفوع متصل یا موقوف صحیح یا حسن یا ضعیف لائق عمل یا شیخین وغیرہ خلفاء کا اثر یا کسی مجتہد یا قاضی کا فیصلہ یا عموم و ایماء نص کا استنباط (غرض کچھ نہ کچھ) ان کو مل جاتا تھا۔ اس وجہ سے ان کو حدیث پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ ان لوگوں میں عظیم الشان و کثیر الروایۃ اور بڑے محدث و فقیہ احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ تھے۔

اور اس طور پر فقہ بنانا بہت سی جمیعت احادیث و آثار پر موقوف ہے۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ فتوی دینے کیلئے انسان کو ایک لاکھ حدیث کافی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں ہے۔۔۔ آخر کہا گیا کہ پانچ لاکھ کافی ہے؟ آپ بولے ہاں امید کرتا ہوں۔ ایسا ہی غایۃ المنتھی (کتاب کا نام ہے) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کی مراد ان اصول و قواعد کے موافق فتوی دینا ہے جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔

ان کے بعد خدا تعالی نے اور (محدث) لوگوں کو پیدا کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہم سے پہلے محدثوں نے حدیث کو جمع کر دیا ہے اور قواعد اہلحدیث کے موافق فقہ کی بنا بھی قائم کر دی ہے تو انہوں نے اور علوم

حدیث کیلئے فارغ ہو کر اہتمام کیا جیسے حدیث صحیح کو جس پر اکابر اہل حدیث (امثال یزید بن ہارون و یحیی بن سعید و احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ) کا اتفاق ہو غیر سے علیحدہ و متمیز کرنا، اور ان احکامی و فقہی احادیث کو جن پر مجتہدین و فقہائے بلاد نے اپنے مذہب کی بنا قائم کی ہے اکٹھا کرنا، اور ہر ایک حدیث پر اس کے موافق حکم لگانا، اور شاذ و نادر حدیثوں کو ،جن کو پہلوں نے روایت نہیں کیا یا ان کی خاص اسنادوں سے تعرض نہیں کیا، اور ان میں اتصال یا علو اسناد یا فقیہ کی فقیہ سے یا حافظ الحدیث کی حافظ الحدیث سے روایت پائی جاتی ہے یا ایسی ہی اور علمی مطلب ان کو بیان کرنا۔

وہ لوگ یہ آئمہ ہیں: بخاری، مسلم، ابو داؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ، ابو یعلی، ترمذی، نسائی، دار قطنی، حاکم، بیہقی، خطیب بغدادی، دیلمی، ابن عبد البر، اور ان کے امثال و اقران۔ ان سب میں ہمارے خیال میں بڑے وسیع العلم اور تصنیف سے خلائق کے نفع رساں اور مشہور چار اشخاص ہیں جو باہم قریب زمانہ تھے: اول امام ابو عبد اللہ بخاری، ان کا مقصود صحیح احادیث کو جو مشہور اور متصل اسانید ہوں، دیگر اقسام سے چھانٹنا اور ان سے فقہ و سیرت و تفسیر کو استنباط کرنا تھا۔ پس انہوں نے اس مدعا کیلئے اپنی کتاب جامع صحیح (مشہور صحیح بخاری) بنائی اور اس میں اپنی وہ شرط پوری کر دکھائی۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ ایک نیک آدمی نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تجھے کیا ہوا ہے تو محمد بن ادریس کی فقہ سے مشغول ہے اور میری کتاب کو چھوڑ رہا ہے۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کون سی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری کتاب صحیح بخاری ہے۔

مجھے اپنی عمر (دینے والے) کی قسم ہے صحیح بخاری نے وہ شہرت و قبولیت پائی ہے جس سے فوقیت نا متصور ہے۔

دوسرے امام مسلم نیشا پوری ہیں انہوں نے اتفاقی حدیثوں کو (جو متصل و مرفوع ہیں اور ان سے احکام استنباط کئے جاتے ہیں) چھانٹنے کا قصد کیا اور احادیث کو قریب الفہم کرنا اور ان سے استنباط کرنا اور ان سے استنباط مسائل کو آسان کر دینا چاہا۔ پس اپنی کتاب کو عمدہ ترتیب سے مرتب کیا اور ہر حدیث کی سبھی اسناد کو ایک جگہ جمع کیا، تاکہ اس سے متون احادیث کا اختلاف اور ان کی سندوں کا تعدد صاف طور پر معلوم ہو، اور مختلف حدیثوں کو باہم موافق کر دیا تاکہ جسکو محاورہ عرب سے واقفیت ہو اس کو حدیث سے دوسری طرف رجوع کرنے کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

تیسرے امام ابو داؤد سجستانی ہیں۔ ان کا قصد یہ تھا کہ ان احادیث کو جن سے فقہاء نے استدلال کیا ہے اور وہ ان میں دائر و سائر ہیں اور ان پر علماء دیار نے احکام کی بناڈالی ہے، یکجا کر دیں۔ پس انہوں نے اپنی سنن (ابو داؤد) میں صحیح، حسن، ضعیف (جو عمل کے لائق ہو) جمع کر دیں اور ابو داؤد نے کہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی حدیث کوئی وارد نہیں کی جس کے متروک العمل ہونے پر سب کا اتفاق ہو اور ان احادیث کو جو ضعیف ہیں ضعیف بتا دیا ہے اور جس میں کوئی علت قادح صحت ہے اس کو ایسے طور سے بیان کر دیا ہے کہ جس کو اس فن میں غور کرنے والے پہچانتے ہیں۔ ہر حدیث کا ترجمۃ الباب وہ مسئلہ مقرر کیا ہے جو کسی نہ کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے اور کسی نہ کسی کا وہ مذہب ہے۔ اسی نظر سے امام غزالی نے فرمایا ہے کہ اس کی کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے۔

چوتھے امام ابو عیسی ترمذی ہیں۔ انہوں نے شیخین (بخاری و مسلم) کے طریق کو پسند و اختیار کیا کہ جو کچھ وارد کیا اس کا حال بیان کر دیا، مبہم نہ چھوڑا اور طریق ابو داؤد کو بھی لے لیا ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر حدیث کو جس کا کوئی قائل و متمسک ہوا ہے جمع کر دیا۔ اس طرفہ پر یہ طرہ بڑھا دیا کہ مذہب صحابہ و تابعین اور مجتہدین کو بھی ذکر کر دیا۔ پس کتاب جامع (ترمذی) تصنیف کی اس میں احادیث کی سندوں کو باختصار وارد کیا، ایک اسناد کو پورا بیان کر دیا باقی کو مختصراً واشارۃً۔ اور ہر حدیث کا حال بیان کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ہے یا منکر، اور وجہ ضعف کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیا تاکہ طالب حدیث کو بصیرت حاصل ہو اور وہ لائق اعتبار کو غیر لائق سے تمیز کرے۔ اور جس راوی کے نام جاننے کی ضرورت تھی، ان کا نام بتا دیا۔ اور جس کی کنیت جاننے کی حاجت تھی اسکی کنیت بتادی۔ اور کسی طرح کا خفا اہل علم کیلئے باقی نہ رہنے دیا۔ اسی نظر سے اس کتاب کے حق میں کہا گیا ہے کہ وہ مجتہد کیلئے کافی ہے اور مقلد کیلئے تقلید سے مغنی۔

اور ان لوگوں کے مقابلہ میں امام مالک اور سفیان کے زمانہ میں اور ان کے بعد ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو استنباط (اجتہادی) مسائل بتانے میں اور فتوی دینے سے نہ ڈرتے اور یہ خیال کرتے کہ دین کی بنا فقہ (و اجتہاد) پر ہے اس کی اشاعت ضرور چاہیے اور آنحضرت ﷺ سے حدیث روایت کرنے سے ڈرتے۔ شعبی کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ورے کسی اور کا قول بیان کرنا مجھے پسند ہے کیونکہ اس میں کمی بیشی بھی ہو جائے تو اسی پر ہو گی، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی بات پر۔ ابراہیم کا قول ہے کہ میں جواب مسائل میں صرف یہ کہدوں کہ عبد اللہ نے یوں کہا ہے، تو مجھے بہت پسند ہے۔ اور ابن مسعودؓ جب حدیث آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے تو آپ کا چہرہ (کمی بیشی ہو جانے کے خوف سے) متغیر ہو جاتا۔ اور یہ کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے یا مثل اس کے اور کچھ۔ حضرت عمرؓ نے جب ایک جماعت انصار کو کوفہ میں بھیجا تو ان کو فرمادیا کہ تم کوفہ پہنچو گے تو لوگ تمہارا آنا سن کر تمہارے پاس آویں گے اور آنحضرت ﷺ کی حدیثیں پوچھیں گے۔ پس آنحضرت ﷺ سے روایت حدیث کم کرنا (یعنی سوچ سمجھ کر کہ جو ٹھیک یاد ہووے، روایت کرنا، جو منہ میں آوے نہ کہدینا)۔ ابن عون نے کہا ہے جب شعبی کے پاس کوئی سوال آتا تو وہ ڈر جاتے۔ اس کے جواب میں یوں کہتے کہ ابراہیم کا قول اس میں یہ ہے۔ ان سب آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے۔